عورت پبلیکیشن
اینڈ انفارمیشن
سروس فاؤنڈیشن

قانون سازی پر نظر

بانی ادارت: شہلا ضیاء
سرپرست اعلیٰ: نگار احمد

ناروے کی کثیر ثقافتیت پر حملے کے محرکات اور نتائج

تحریر: نعیم مرزا

پُرسکون اور پرامن ناروے 22 جولائی کے دن ایک شخص کے پاگل پن کا ایسا شکار ہوا کہ ایک لمحے میں انسانی بقاء کی تمام وجوہات کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔ لیکن ایک مختصر وقت میں تباہی اور موت کے ملبے سے زندگی کی ایسی کرن نمودار ہوئی اور پورے ملک میں ایسے بھرپور انداز میں پھیل گئی کہ ناروے کی حکومت اور عوام نے غم میں بھی پُروقار لگتے ہوئے اور ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ایک شخص کے بزدلانہ اقدام کے خلاف اتحاد و یگانگت کی ایک ایسی انمول مثال قائم کی جس کا مظاہرہ کم ہی دیکھا گیا۔ یہ شخص نفرت، نسل پرستی اور غیر ملکیوں سے نفرت کے ایک ایسے نظریے سے متاثر تھا جس کے مبلغین یورپین اور نارڈک (Nordic) ممالک کے انتہائی دائیں بازو کی جماعتوں میں موجود ہیں۔

جس طرح تشدد سے مزید تشدد پھوٹتا ہے اسی طرح خوف سے مزید خوف جنم لیتا ہے اور ایک سے دوسری بنیادی پرستی زور پکڑتی ہے۔ جس کی بھاری قیمت عموماً ان لوگوں کو بھگتنا پڑتی ہے جن کا اُن نظریات، جن کے نام پر یہ سب کچھ کیا جاتا ہے، سے کوئی لینا دینا نہیں ہوتا۔ تشدد کا یہ ڈھانچہ اور اس کے دوسرے محرکات سے تعلق کا معاملہ پاکستان کے بارے میں حقیقی بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ یہاں ایک حادثہ دوسرے حادثات کو ہوا دیتا ہے جس سے مختلف حادثات کا ایک نہ ختم ہونیوالا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ تشدد کا یہ دائرہ پاکستان کے اندر بُنا جا چکا ہے، اور جب بھی کوئی میرے پیارے ملک کو 'تشدد کی سرزمین' بیان کرتا ہے تب میرے پاس کہنے کو کچھ بھی نہیں ہوتا ہے۔ (کیونکہ) ہم پاکستانیوں نے پچھلے ایک طویل عرصے سے بہت زیادہ تشدد دیکھا ہے جس سے ہم بڑی حد تک مایوس اور احساس سے عاری ہو چکے ہیں۔

لیکن 22 جولائی 2011 کو ناروے میں جو کچھ برپا ہوا وہ زیادہ قابل فہم نہ تھا، خصوصاً اپنی فطرت اور شدت کے اعتبار سے ناروے کے معاشرے اور اس کی نفسیات میں تشدد اور دہشت کا چکر موجود نہیں ہے۔ مگر یورپ اور سکینڈینیوین (Scandinavian) ممالک میں کچھ سیاسی جماعتیں ضرور موجود ہیں جو ایسے نظریات پر یقین رکھتی ہیں جو اپنی ماہیت کے اعتبار سے ناقابل برداشت اور شدت پسند ہیں۔ چند ممالک میں تارکین وطن کے حوالے سے تشدد اور دہشت کے کچھ واقعات بھی رونما ہو چکے تھے۔ مگر 22 جولائی کو جو کچھ ہوا اس طرح کے واقعات نہ تو کسی نے پہلے دیکھے تھے اور نہ ہی کسی نے ان کے بارے خدشات کا اظہار کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر کسی کا اس واقعے کے بعد ردعمل یہ تھا کہ کیا یہ سب کچھ ناروے میں ہوا؟ اور دوسری سوچ جو امڈ کر سامنے آئی، بالخصوص مسلمانوں اور پاکستانیوں کے دماغ میں، وہ یہ تھی کہ 'ہم مارے گئے'۔ یہ سوچتے ہوئے کہ یقیناً یہ شخص ہم میں سے ہی کوئی ہوگا۔

چونکہ میں یقین رکھتا ہوں کہ دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا ہے، اور کوئی بھی مذہب دہشت گردی کی اجازت نہیں دیتا ہے، اس لئے بعد میں اس جانکاری سے کوئی دلاسا نہ ہوا کہ ناروے میں بڑے پیمانے پر قتل و غارت کرنیوالا مجرم ہمارے عقیدے سے نہیں بلکہ ایک دوسرے عقیدے سے تھا۔ میں کسی بھی مذہب کو دہشت گردی کے زمرے میں ڈالنے کی حوصلہ شکنی کرتا ہوں۔ تاہم ہمیں اس سادہ لوحی کی بھی حوصلہ شکنی کرنا چاہیے اور اس کے ساتھ سختی سے نبرد آزما ہونا چاہیے۔ اس وقت کوئی بھی شخص دنیا بھر میں مذہبی شدت پسندی، بنیاد پرستی اور مذہب کے عسکری پہلوؤں کے تیزی سے نمودار ہونے کی حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا۔ پاکستان اور افغانستان کے اندر لڑی جانے والے دہشت گردی کے خلاف

بقیہ صفحہ 4 پر

دہشت گردی کیخلاف ہمارا جواب مزید جمہوریت ہے: سٹالٹنبرگ

یکم اگست بروز سوموار وزیراعظم ناروے جینز سٹالٹنبرگ نے اوسلو کی مرکزی جامع مسجد میں 22 جولائی کے سانحے کی یاد میں تقریب کے دوران تقریر کی۔ ذیل میں تقریر کا متن درج ہے۔

میرے عزیزو!

آج دہشت گردی کے شکار پہلے دو افراد کو دفن کیا جا رہا ہے جن میں سے ایک نیسوڈن کی اٹھارہ سالہ بانو رشید ہے۔ سا کا خاندان 1996 میں عراق سے یہاں آ کر آباد ہوا' انہوں نے ناروے کو محفوظ جنت کے طور پر پایا تھا۔

بانو نے سکول میں اچھی کارکردگی پیش کی اور وہ قانون پڑھنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ اس نے اپنا مستقبل ناروے کی پارلیمنٹ میں دیکھا تھا۔ اس کے خوابوں کو اوٹوا میں ایک گن مین نے چکنا چور کر دیا۔

میں اس کے والدین بیان اور مصطفیٰ کے غم میں شریک ہوں۔

یہ وہ کچھ ہے جو بیان نے ایک اخبار میں دیئے گئے اپنے انٹرویو میں کہا ''اس کا جواب نفرت نہیں بلکہ مزید پیار ہے''۔

آج اس کے خاندان والوں نے اس کے لئے ایک الوداعی تقریب کا اہتمام کیا جہاں پر نارویجن اور کردش بھی موجود تھے۔

دوسرا فرد حمار کا 19 سالہ اسماعیل حاجی احمد تھا۔ اسماعیل ایک پرجوش فنکار اور پرفریب ڈانس انسٹرکٹر تھا۔ اس نے بہت سارے لوگوں کو متاثر کیا تھا اور کتنے لوگوں کو لطف مہیا کیا تھا۔

وزیراعظم ناروے جینز سٹالٹنبرگ، انکی اہلیہ انگرڈ شلیر وڈ، شہزادی مارتھا لوئیس، ناروے کے ولی عہد کی بیگم میتی میرٹ اور ولی عہد ہاکن یادگاری تقریب میں، جہاں ہزاروں لوگ اکٹھے ہوئے، 25 جولائی، 2011، اوسلو، ناروے۔

مجھے بانو اور اسماعیل کا دکھ ہے۔

انہوں نے ابھرتے ہوئے نارویجن تصور ''ہم'' کو نئی جلا بخشی ہے۔

ہم نارویجن، مختلف مذہب، قوم پرستی، صنف اور مرتبے کے باوجود ایک کیمونٹی رہیں گے۔

بانو ایک نارویجن ہے، اسماعیل ایک نارویجن ہے، ہم ناروے ہیں اور میں اس بات پر فخر کرتا ہوں کہ نارویجن لوگوں نے امتحان پاس کر لیا ہے۔

یہ حملہ دراصل ہماری جمہوریت کے دل پر حملہ ہے۔ لیکن اس نے ہماری جمہوریت کو مضبوط کیا ہے۔ ہمیں ایک دوسرے کے قریب تر کر دیا ہے۔ فوری غم اور تباہی ہمیں ایک دوسرے کے قریب لے آئی۔

میں پوری قوم کو دعوت دیتا ہوں کہ تمام نارویجن اکٹھے ہو جائیں۔ آج کے اخبارات نے ایک امام اور ایک بشپ کی تصویر دکھائی ہے جس میں وہ ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے۔ یقیناً کوئی تو ذریعہ ہے اس محبت کا۔ ہم تمام نارویجن ہیں۔ ہماری بنیادی قدر جمہوریت، انسانیت، اور کھلا پن ہے۔ اس پلیٹ فارم کے ساتھ ہم مختلف انسانی اقدار اور ان کی برابری کی قدر کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی بھی عزت کرتے ہیں۔ ہمیں مختلف بحث مباحثوں کا سامنا کرنا پڑے گا ہم ان تمام کو خوش آمدید کہیں گے چاہے کوئی کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو۔ ہم ایک دوسرے سے ناروے کی بنیادی قدر 'جمہوریت' کا چیمپئن بننے کی توقع کریں گے۔ اس سے ہم دہشت گردی اور تشدد کے خلاف اپنا حتمی اور بھرپور جواب دے سکیں گے۔ اس کا جواب مضبوط جمہوریت ہے پہلے سے بڑھ کر انسانیت ہے۔ لیکن دشمنی کبھی بھی نہیں۔

یہ اب ہمارے اوپر ہے کہ ہم ناروے کا اگلا باب کس طرح لکھتے ہیں۔ اب دو ناروے ہونگے، ایک 22 جولائی سے پہلے اور دوسرا اس کے بعد کا ناروے۔

ہم نے راستہ چن لیا ہے۔ ناروے کی شناخت رہے گی۔ یہ سب ہمارے اوپر منحصر ہے۔ ایسے مقدس مقام پر یہ کہنا ضروری ہے کہ ہم ایک دوسرے کے عقائد کا احترام کرتے ہیں۔ وسعت کو جگہ ملنی چاہیے اور اسے ناروے کی تصویر کو حسین رنگ دینے کی اجازت ہونی چاہیے۔ اس طرح ہم بانو اور اسماعیل اور دوسرے جو اوٹوا اور اوسلو کے سانحات میں ہلاک ہو گئے ان کی یاد کو تکریم دے سکتے ہیں۔

پنجاب کا بجٹ: ترقیاتی اسکیموں کے باوجود صنفی بصارت سے محروم دستاویز

تحریر: فرح ضیاء

پنجاب حکومت کے بجٹ کو صنفی عدسے سے پرکھنا آسان نہیں ہے۔ یہ ایک دلچسپ مشق ہے جس میں، یوں سمجھیں کہ ہرن کا بچہ سرکاری سے غیر سرکاری اداروں، معاشی اداروں سے پی آر ایس پی ون اور پی آر ایس پی ٹو اور GRBI سے GRAP اور پھر اسی طرح آگے چھلانگیں لگاتا رہتا ہے۔ آخر میں آپ کو اس بات کا تعین نہیں ہوتا کہ یہ بجٹ صنفی طور پر کتنا حساس ہے جس طرح ماضی میں بھی کبھی اس بات کا اندازہ نہیں ہو سکا۔

کچھ چیزیں تو سرسری نظر میں ہی واضح ہو جاتی ہیں۔ ایک ترقی پزیر ملک ہونے کی وجہ سے ہمارا زیادہ تر انحصار غیر ملکی امدادی اداروں پر ہوتا ہے۔ صنفی برابری ایک ایجنڈا ہے جسے ہم نے عارضی طور پر اب تک بہت ساری وجوہات کی بناء پر اپنے اندر سمویا ہے۔ یہ خالصتاً عزم کی کمی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ یہاں پر اہلیت کے فقدان کا مسئلہ شدید ہے جو اس کے عملدرآمد میں رکاوٹ ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حکومتی ادارے جنہوں نے بھاری فیصلے کرنے ہوتے ہیں بلکہ یہاں پر تو مزاحمت کرنا ہوتی ہے انکی نسبت ان غیر حکومتی سیکٹر کے لئے جینڈر کو بطور ایجنڈے کے اپنانا نہایت آسان ہوتا ہے۔ ترجیحات کی درجہ بندی میں تبدیلی اس وقت آتی ہے جب سیکورٹی کے حالات خراب ہوں یا یہاں پر طوفانی سیلاب ہوں۔ تمام طاقتیں اس جانب لگا دی جاتی ہیں بغیر اس بات کا اندزہ لگائے کہ ان میں سے مسئلے کی صنفی سمت کیا ہوگی۔

بجٹ بناتے وقت کچھ مخصوص عوامل کا خیال رکھا جاتا ہے اور فرض کر لیا جاتا ہے کہ یہ ایک تکنیکی اور اعداد و شمار کے متعلق کام ہے پس یوں صنفی برابری سے متعلق پالیسی ساز فیصلے کرنا تو آسان ہوتا ہے مگر اعداد و شمار کو صنفی حوالے سے جدا جدا کر کے بجٹ نہیں بنایا جا سکتا۔

تاہم پنجاب کے بجٹ کے اہم نکات میں صنفی برابری کے حصول کیلئے ماسوائے صنفی بنیادوں پر سرمایہ کاری کے جس کے تحت ایک عمومی تفویض مالیتی تیرہ ارب روپے کے کوئی بھی ایسا پالیسی ساز فیصلہ نہیں ہے جو صنفی برابری کے مقاصد کو حاصل کر سکے۔ ہم نے پنجاب کے ترقیاتی اور عوام دوست بجٹ برائے سال 2011-12 کے اہم حوالوں میں دانش سکول اور پیلو ٹیکسی سکیم کے بارے میں تو سنا ہے مگر اس میں پنجاب حکومت کے خاص خواتین کی بہتری کے عزم کے بارے کچھ بھی موجود نہیں ہے۔

یقینی طور پر سماجی بہبود، تعلیم اور صحت کے مختلف شعبوں کی مد میں جو بچیوں کو فائدہ پہنچاتی ہیں کے لئے فنڈز رکھے گئے ہیں۔ جو ہمیں بتایا گیا ہے اس کے مطابق تعلیمی اداروں میں میٹرنل ہیلتھ، نرسوں کی صلاحیتوں میں اضافے کے اقدامات، ایل ایچ وی کی تربیت، ڈائریکٹوریٹ آف وومن ڈویلپمنٹ اور تمام دوسرے اداروں میں خواتین کی ضروریات کے مناسب حل کے مقاصد شامل ہیں۔

بجٹ دستاویز کے مطابق حکومت پنجاب نے عورتوں کی سماجی بہبود اور ترقی کے لئے پانچ نئے اقدامات کئے ہیں۔ ان اقدامات میں چلڈرن ہوم فیصل آباد، ورکنگ وویمن ہاسٹل ساہیوال، بھکاریوں کا گھر، لاہور، اولڈ ایج ہوم بلڈنگ لاہور اور 50 نئے ووکیشنل انسٹی ٹیوٹ شامل ہیں۔ اس مقصد کیلئے حکومت نے 17 کروڑ روپے مختص کئے ہیں۔

عورتوں کو خود مختار بنانے کے لئے دوسرے اقدامات میں گہوارہ راولپنڈی کی تعمیر، ملتان میں منشیات سے بحالی کے مرکز کا قیام، جینڈر ریفارم ایکشن پلان پر عملدرآمد، سات ماڈل چلڈرن ہومز کی تعمیر، اور تین پرانی طرز کے گھروں کی تعمیر شامل ہیں۔ عورتوں کی خود مختاری بارے نئی سکیموں کے لئے 28.5 کروڑ روپے اور 29 کروڑ روپے پنجاب ووکیشنل ٹریننگ کونسل کے لئے مختص کئے گئے ہیں۔

تعلیم، خصوصی تعلیم اور صحت کے لئے سالانہ ترقیاتی بجٹ میں رقوم رکھی گئی ہیں اور جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں خواتین کو بہت فائدے بہم پہنچائے گئے ہیں۔

کیا یہ مناسب ہوگا کہ درج بالا اعداد و شمار کو صنفی بصارت سے محروم کہا جائے؟ میرے نزدیک ایسا ہی ہوگا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ پاکستان میں پنجاب وہ پہلا صوبہ تھا جہاں سال 2005 سے یو این ڈی پی کے ساتھ کچھ دوسرے ڈونرز کی مدد سے (جی آر بی آئی) Gender Responsive Budgeting Intiative متعارف کرایا گیا۔ اس تجربے کیلئے مرکز کے علاوہ پنجاب کو منتخب کیا گیا اور بجٹ دستاویز کو صنفی عکاس بنانے کیلئے تین شعبوں کا انتخاب کیا گیا جن میں تعلیم، صحت اور بہبود آبادی شامل تھیں۔

یہ عمل کامیابی کے ساتھ شروع ہوا تھا اور جینڈر کو Budget Call Circular کا حصہ بنایا گیا تھا۔ پنجاب میں تمام شعبوں کو کہا گیا ہے کہ وہ متعلقہ کارکردگی کے تمام اشاروں کو صنفی حوالے سے علیحدہ علیحدہ کریں۔ اس وقت فرض کیا گیا تھا کہ یہ جینڈر سے متعلقہ مقاصد کو شامل کریں گے۔ جی آر بی آئی کے لئے ایک جینڈر بجٹ سٹیٹمنٹ ضروری ہوتی ہے تاکہ یہ دکھایا جا سکے کہ حکومت کے پروگرام اور بجٹ جینڈر کے حوالے سے کام کر رہے ہیں۔ یہ پروگرام سال 2007 تک جاری رہے مگر اس کے بعد ان کو جاری نہیں کیا گیا یا ان پر عملدرآمد بھی نہیں کیا گیا۔

پروفیسر گیتا سین کے مطابق جی آر بی (Gender Responsive Budget) میں خواتین کے لئے علیحدہ بجٹ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ صرف حکومتوں کی مدد کرتا ہے کہ پالیسیوں کو کس طرح ترتیب دیا جائے اور ذرائع کو کہاں استعمال میں لایا جائے۔ یہ حکومت کو خواتین کے مسائل و حقوق، تعلیم، اور روزگار کو حل کرنے میں مدد دیتا ہے۔

جبکہ حکومت منتخب اسمبلیوں اور سرکاری اداروں میں عورتوں کی تعداد میں اضافہ کر چکی ہے پھر وہ کیسے عناصر ہیں جو فنانس ڈویژن کو جی آر بی پر عملدرآمد سے روکتے ہیں۔ ایسے نظر آتا ہے کہ بجٹ بنانے کے موجودہ فریم ورک میں ایسا کرنا مشکل کام ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ فنانس ڈویژن نہ صرف پنجاب میں بلکہ پوری دنیا میں اپنی عادت کی وجہ سے تبدیلی سے گریز کرتے ہیں۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ بجٹ کی مخصوصیات پر نظر ثانی کی جائے تاکہ ایسا بجٹ بنایا جا سکے جو کہ صنف سے مطابقت رکھتا ہو۔

پلاننگ اور ڈویلپمنٹ ڈویژن کی طرف سے تمام وزارتوں کو ہدایت کی جانی چاہیے کہ وہ صنف کو بھی بجٹ کا ایک حصہ بنائیں لیکن ہمارا تمام بنیادی ڈھانچہ اور سافٹ ویئر دونوں ہی بہت پرانے ہیں۔ فنانس ڈویژن، حکومت پنجاب کا دعویٰ ہے کہ جب بھی اعداد و شمار کا مسئلہ ہو تو وہ ایڈونچرز کو برداشت نہیں کر سکتی ہے۔

سچ بات یہ ہے کہ صنف سے متعلقہ بجٹ میں خاص قسم کی صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً تحقیق کرنا پڑتی ہے، تکنیکی طور پر اس میں ریفارمز کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ایجنڈا اور پالیسی کے مدنظر ایسی کافی چیزیں ہیں جن کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ممکن بنائی جا سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر تعلیم میں لڑکیوں کی عدم دلچسپی کی وجہ ان کے سکولوں کی کم تعداد اور ان کا دور واقع ہونا بھی ہے۔

ایک رپورٹ کے مطابق والدین لڑکیوں کو اس وجہ سے سکول نہیں جانے دیتے کیونکہ سکولوں کی تعداد کم ہے اور پھر یہ سکول بہت دور بھی واقع ہیں جو کہ لڑکیوں کے لئے انتہائی مشکل اور مہنگے ثابت ہوتے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق بجٹ میں زیادہ تر فنڈز موجودہ سکولوں کے لئے مختص کیا جاتا ہے چونکہ لڑکوں کے سکول لڑکیوں سے زیادہ ہوتے ہیں اس لئے بجٹ میں لڑکوں کی تعلیم کے لئے زیادہ تر فنڈ مختص ہوتا ہے۔ اس تناظر میں تعلیم کے لیے یہ صنفی بصارت سے محروم بجٹ ہے کیونکہ اس میں لڑکیوں کی تعلیم کے لئے فنڈز نہیں رکھے گئے اور یہ موجودہ حالت کو برقرار رکھتا ہے۔

لیکن ایک مثبت بات یہ ہے کہ پنجاب حکومت GRAP کو جاری رکھے ہوئے ہے جب کہ وفاق میں یہ پروگرام اپنی افادیت کھو چکا ہے اس بات پر پنجاب حکومت کی تعریف کرنا چاہیے۔

بجٹ دستاویز کے مطابق فنانس ڈویژن اور پلاننگ ڈویژن صنفی برابری سے متعلقہ مسائل کو بجٹ میں حل نہیں کرتے۔ واضح اعداد و شمار مثلاً عورتوں کے لئے چھوٹے قرضوں کی سہولت، عورتوں کے لئے زکواۃ فنڈ، پبلک سیکٹر میں ملازمت پیشہ عورتوں کی تعداد، مردوں کے مقابلے میں پڑھی لکھی عورتوں کی تعداد وغیرہ کی موجودگی اور انکا ذکر موجودہ بجٹ کو صنفی اعتبار سے زیادہ بہتر بنا سکتا تھا۔

بلوچستان کے بجٹ میں عورتیں فنڈز سے محروم

تحریر: شہزادہ ذوالفقار

حکومت بلوچستان نے مالی سال 2011-12 کے لئے 164 ارب روپے کا بجٹ پیش کیا جس میں 31.2 ارب روپے ترقیاتی بجٹ کے لئے مختص کئے گئے جبکہ بجٹ کا مالیاتی خسارہ 67 ارب روپے تھا تاہم بجٹ میں خواتین کی ترقی کے لئے کوئی فنڈز نہیں رکھے گئے۔ ماسوائے چند سکولوں اور کالجوں کو اپ گریڈ کرنے کے۔ اگلے مالی سال کے لئے اخراجات کا تخمینہ 133.206 ارب روپے لگایا گیا بشمول 90.562 ارب روپے جو موجودہ سال کے 83.99 ارب روپے کے مقابلے میں تھا اور 644 ارب روپے کے کیپٹل اخراجات کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو 19.256 ارب روپے محکمہ تعلیم کے لئے رکھے گئے جبکہ اکنامک افیئرز کے لئے اگلے سال کے بجٹ میں 18.352 ارب روپے مختص کئے گئے۔ جو کہ موجودہ مالی سال کے 9.1 ارب روپے سے تقریباً دوگنا ہیں۔ بجٹ میں جنرل پبلک سروس کے لئے 17.206 ارب روپے جبکہ امن عامہ (Public Order Safety Affairs) کے لئے 11.539 ارب روپے رکھے گئے۔

صوبائی حکومت نے 8.869 ارب روپے صحت کے شعبہ کے لئے، 3.448 ارب روپے سیر و تفریح، ثقافت اور مذاہب کے لئے رکھے گئے۔ جبکہ 7.079 ارب روپے ہاؤسنگ اور کیمونٹی افیئرز کے لئے اور 998 ارب روپے سوشل پروٹیکشن کے لئے مختص کئے گئے اور قرض پر سود ادا کرنے کے لئے 3.816 ارب روپے مختص کئے گئے جو کہ مال سال 2011-12 کے دوران ادا کئے جائیں گے۔

وزارت خزانہ بلوچستان کے کی جانب سے تیار کردہ وائٹ پیپر 2011-12 کے مطابق صوبے کی 65 فیصد آبادی کا دارومدار زراعت اور لائیوسٹاک پر ہے جبکہ پاکستان میں لائیوسٹاک کی پرورش میں عورتوں کے کردار پر ایک رپورٹ کے مطابق صوبے بھر میں 28.2 فیصد خواتین زراعت اور لائیوسٹاک کے شعبے سے وابستہ ہیں۔ صوبے بھر کے لوگوں کو گذشتہ 8 سالوں کے دوران خشک سالی اور سیلاب کی وجہ سے بہت زیادہ مالی نقصان اٹھانا پڑا خاص طور پر زراعت اور لائیوسٹاک کے شعبے میں اس کے علاوہ زیر زمین پانی کی کمی اور اٹھارہ گھنٹوں پر محیط لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے بھی زراعت اور لائیوسٹاک کو بہت زیادہ مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔

پندرہ لاکھ آئی ڈی پیز (Internally Displaced Persons) میں سے تقریباً تیس ہزار کے قریب خواتین ملٹری آپریشن کی وجہ سے اپنے علاقوں ڈیرہ بگٹی اور کوہلو سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئیں۔

اس بات کا اندازہ لگانا انتہائی مشکل ہے کہ بجٹ میں خواتین کی بہبود کے لئے کتنا فنڈز مختص ہے کیونکہ کسی بھی حکومتی ادارے حتیٰ کہ وزارت خزانہ اور وزارت ترقی نسواں کے پاس بھی کسی بھی قسم کا کوئی آئیڈیا اور نہ ہی کوئی اعداد و شمار ہے۔ کسی بھی ملک یا صوبے کا بجٹ ترقی پذیر شعبوں اور ان میں صنفی توازن کے تحت وہاں کے لوگوں کے مقاصد کو ظاہر کرتا ہے۔

بجٹ میں کم ترقی پذیر شعبوں پر توجہ دی جاتی ہے جس میں صنفی توازن ہوتا ہے۔ تاہم دوسرے کم ترقی یافتہ ممالک یا علاقوں کی طرح پاکستان اور بالخصوص بلوچستان بہت کم فنڈز ترقیاتی منصوبوں کے لئے مختص کرتے ہیں۔ صوبہ بلوچستان کے 164 ارب روپوں کے کل بجٹ میں سے صرف 20 فیصد ترقیاتی کاموں کے لئے رکھے گئے ہیں جبکہ بجٹ کا خسارہ 6.7 ارب روپے ہے۔

صوبائی بجٹ کا صنفی حوالے سے جائزہ

سندھ کا صوبائی بجٹ

تحریر: جی این قریشی

صوبہ سندھ کے مالی سال 12-2011 کے لئے 457.5 ارب روپے کے بجٹ کا اعلان کیا گیا جس میں سماجی بہبود اور عورتوں کو خودمختار بنانے کے لئے کافی فنڈ زر کھے گئے ہیں۔ بجٹ میں پہلے سے جاری 17 منصوبوں کیلئے 232.207 ملین روپے اور تین نئی سکیموں کے لئے 85.64 ملین روپے مختص کئے گئے ہیں جو کہ مالی سال 12-2011 میں خرچ ہوں گے۔

عورتوں کے منصب اور ان کی معاشی سرگرمیوں میں شرکت اس بات کی گواہ ہیں کہ وہ کتنی باصلاحیت اور طاقتور ہیں اور وہ حقیقی اور سیاسی حل کی تلاش کے لئے کتنی سرگرم ہیں۔ دنیا میں بڑھتی ہوئی صنفی مساوات کو دیکھتے ہوئے حکومت پاکستان نے بھی عورتوں کو خودمختار بنانے کے لئے خصوصی توجہ شروع کی ہے۔ اس وقت نہ صرف حکومتی سطح پر بلکہ غیرسرکاری ادارے اور پرائیویٹ سیکٹر بھی عورتوں کے لئے تعلیم، ہنرکاری، ووکیشنل ٹریننگ اور سمال ہاؤس انڈسٹریز کے مواقع فراہم کررہی ہے۔

یہ اس لئے کیا جاتا ہے تا کہ 4.2 فیصد کا جی ڈی پی کا ٹارگٹ حاصل کیا جاسکے۔ خواتین کی خودمختاری کے لئے بہت سارے مواقع پیدا کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ اور یہ سب اس لئے بھی کیا جارہا ہے تا کہ 12 فیصد مہنگائی سے نمٹا جاسکے۔ ماضی میں بھی خواتین کی بہتری کے لئے کئی پروگرام شروع کئے گئے جن میں 13000 عورتوں کی تربیت کے لئے سندھ بھر کے تمام اضلاع کے 350 دیہاتوں میں گاؤں کی سطح پر سلائی کڑھائی کے ٹریننگ سنٹر قائم کئے جارہے ہیں۔ جیسا کہ ہماری معیشت کا دارومدار زراعت پر ہے اس لئے 6700 خواتین کو لیڈی لائیوسٹاک ورکرز کے طور پر تربیت دینے کے ساتھ ساتھ ان خواتین ہاریوں کو زمین کے قطعات دینے کے لئے بھی اقدامات کئے جارہے ہیں۔ اتنے سارے بھرپور اقدامات کرنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کو معاشی طور پر مستحکم کیا جائے تا کہ وہ معاشرے کا اہم رکن بن کر اپنا قابل قدر کردار اور خدمات ادا کرسکیں۔

سٹیوٹا (STEVTA) ادارے کا قیام اہم کارنامہ ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ موجودہ حکومت فنی تعلیم اور ہیومن ریسورسز کی ترقی کے لئے ووکیشنل ٹریننگ کے مواقع فراہم کرچکی ہے۔ عورتوں کی خودمختاری کے مقصد کے حصول کے لئے سندھ کی موجودہ حکومت نے کافی بڑی رقم مختص کی ہے جو کہ ان عورتوں کے لئے روزگار کے مواقع تلاش کرنے میں مدد دے گا۔ ان فنڈز سے نہ صرف پڑھی لکھی عورتوں بلکہ ان پڑھ خواتین کے لئے بھی روزگار کا مسئلہ حل ہوسکے گا۔ سماجی ترقی کے منصوبے جو کہ پہلے سے چل رہے تھے انکے ساتھ ساتھ عورتوں کی خودمختاری کے کچھ منظورشدہ منصوبوں کا تذکرہ یہاں پر موجود ہے۔

صوبہ سندھ میں ٹھٹھہ اور کراچی میں کیمونٹی ڈویلپمنٹ سنٹرز کا قیام کے لئے 49.524 ملین مختص کئے گئے۔ دیہات اور شہروں کی یتیم لڑکیوں اور معذور خواتین کی معاشی خودمختاری کے لئے 83.648 ملین کے فنڈز کی منظوری دی گئی۔ ایک اور بڑی کامیابی جو قابل داد ہے وہ محترمہ شہید بےنظیر آباد (نوابشاہ) میں دارلامان کا قیام ہے جس کے لئے 47.511 ملین رکھے گئے۔ اسی طرح حکومت کے کچھ اور کارنامے جن میں غریب اور بےآسرہ عورتوں کی بحالی کے منصوبوں کے لئے موجودہ بجٹ میں مختص رقوم سے میرپور خاص اور جیکب آباد میں دارالامان کی تعمیر شامل ہے بھی لائق داد ہے۔

مزید برآں کراچی، حیدرآباد اور سکھر میں خواجہ سراؤں کیلئے کیمونٹی ڈویلپمنٹ سنٹر کے قیام کے منصوبوں کے لئے 83.464 ملین مختص کئے گئے جو کہ عورتوں کی خودمختاری کی طرف ایک قدم ہے۔ خواتین کی ترقی کے پروگراموں میں کچھ جاری سکیموں کا تذکرہ یہاں پر پیش کیا گیا ہے۔ کراچی میں سیل اور ڈسپلے ریسورس سنٹر، ڈے کیئر سنٹر اور مصیبت کی شکار خواتین کی امداد کے لئے سندھ میں وومن کمپلینٹ سیل کا قیام، میڈیا سیل کا قیام، صوبہ بھر کے ضلعی ہیڈکوارٹر اور کراچی کے 18 ٹاؤنز کی سطح پر ننھے بچوں کی تربیت کے مراکز کا قیام، جینڈر ریفارم ایکشن پلان سندھ پر عمل درآمد، سندھ میں عورتوں کی ٹریفکنگ پر رپورٹ کا اجراء حکومت کے اہم کارناموں میں شامل ہے کیونکہ اس سے عورتوں کو مردوں کے روایتی گھناؤنے معاشرے کی غلامی سے نجات حاصل ہوگی۔

گھر سے دور روزگار کمانے کے لئے کام کرنے والی خواتین کی رہائش کے دیرینہ مسئلے کے حل کے لئے ہاسٹل تعمیر کرنے سے ان کو کافی مدد ملے گی۔ تاہم حکومت کے دیگر پروگراموں میں تمام اضلاع میں شیلٹر ہومز کا قیام، ڈویژن کی سطح پر وومن ڈویلپمنٹ کمپلیکس کا قیام، سندھ وومن اکنامک امپاورمنٹ پراجیکٹ، خواتین کی خودمختاری کے لئے ایڈووکیسی، تشدد کا شکار خواتین کی سول سوسائٹی تنظیموں کے ذریعے امداد، سکھر میں وومن ڈویلپمنٹ کمپلیکس کا قیام، سندھ کے تمام ڈویژنل ہیڈکوارٹرز میں عورتوں کو بہتر مشاورت مہیا کرنے کی جانب حکومت نے کئی اقدامات شروع کئے ہیں۔

ان تمام منصوبوں کا ایک بنیادی مقصد خواتین کی بہبود ہے تا کہ وہ زندگی کے مختلف مسائل سے عزت نفس کے ساتھ بخوبی عہدہ براہو سکیں۔ صنفی امتیاز اس وقت ہی کم ہوگا جب خواتین اپنی گذربسر خود کرسکیں گی اور معاشرے میں بھی اس کی عزت وتوقیر ہوگی۔ جس سے نتیجتاً ان میں عزت نفس کے احساسات مضبوط ہوں گے جو کہ بہتر کارکردگی کے لئے انتہائی ضروری ہوتے ہیں۔

عورتوں کی ترقی کے حوالے سے ہم بحیثیت قوم، بہت پیچھے ہیں۔ مگر اب وقت آگیا ہے کہ ہم صنفی حوالے سے اپنے طورطریقے بدلیں ورنہ ایک مضبوط قوم بننے کا ہمارا خواب پورا نہیں ہوسکے گا۔ اسمبلیوں میں عورتوں کی شرح فی صد نمائندگی اس طرف ایک مثبت قدم ہے۔

سندھ اسمبلی کے موجودہ بجٹ میں مین دیہی اور شہری علاقوں کی خواتین کیلئے علیحدہ علیحدہ ترقیاتی سکمیں اور مواقع پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بلاشبہ اس سے صنفی حوالے سے امتیازی برتاؤ میں کمی آئے گی۔ صنفی حوالے سے مثبت معاشی اقدامات کے ذریعے سندھ میں عورتوں اور مردوں کے درمیان باہمی روابطہ اور سماجی حوالے سے انکے کردار میں مثبت تبدیلی کی بھرپور گنجائش اور توقع موجود ہے۔

خیبر پختونخواہ کا بجٹ

تحریر: زینب عظمت

اٹھارویں ترمیم کے بعد خیبر پختونخواہ کے صوبائی بجٹ کا بڑی شدت سے انتظار تھا کیونکہ ڈیولوشن (Devolution) کے بعد مختلف وزارتوں کی تبدیلی کے بعد ایک مثبت تبدیلی کے ساتھ ساتھ اور بھی بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ مگر نتیجتاً کوئی بڑی تبدیلی رونما نہ ہوئی بلکہ ویسا ہی سب کچھ ہوا جو کہ عوام پہلے ہی سے بھگت رہے تھے۔

بجٹ وہ دستاویز ہوتا ہے جو حکومت کے مستقبل کے اخراجات کو ظاہر کرتا ہے۔ بجٹ دو قسم کا ہوتا ہے ایک موجودہ اور ایک ترقیاتی۔ موجودہ بجٹ تنخواہیں، پینشن، رعایت اور قرض اتارنے کے لئے ہوتا ہے جبکہ ترقیاتی بجٹ سماجی شعبے میں سہولتیں دینے کے لئے ہوتا ہے۔ خیبر پختونخواہ کے مالی سال 12-2011 میں بجٹ پولیس فورس، سیلاب کی تباہ کاریوں سے نمٹنے اور سماجی شعبے پر خصوصی توجہ دی گئی۔ بجٹ کو حقیقی بنانے، اس میں شفافیت کے لیے اور اسے عوامی بنانے کے لئے تیسری پارٹی سے آڈٹ کرانا اور وسط مدتی بجٹ فریم ورک جیسی فنی چیزیں متعارف کرائی گئیں۔

صوبائی حکومت ان وزارتوں کے عملے کو تنخوائیں دینے کے لئے بہت سنجیدہ نظر آتی ہے جن کو 18 ویں ترمیم کے بعد صوبوں کو تحلیل کیا گیا تھا۔ ان تحلیل کردہ وزارتوں کے بجٹ کو خواتین کے متعلقہ کچھ وزارتوں کو امداد دینے کے علاوہ صحیح طور پر شامل نہیں کیا گیا۔ مثال کے طور پر وزارت محنت وافرادی قوت کو ایک فنڈ دیا گیا جس میں اس بات کا ذکر نہیں کیا گیا کہ اسے کہاں استعمال میں لایا جائیگا۔ یہاں پر اس بات کی بھی تشریح نہیں کی گئی کی وہ خواتین جو کام کرتی ہیں بالخصوص گھروں کے اندر جو کام کرتی ہیں (جو کہ پہلے ہی مزدور قوت کی پہچان حاصل کرنے کی کوشش میں ہیں) ان کے فائدے کے لئے کتنا فنڈز مختص کیا گیا ہے؟ اسی طرح وزارت اموِر نوجوان، خواتین کی ترقی کا ادارہ اور دوسرے کئی اداروں کے ضمن میں بھی یہی صورت حال سامنے آئی۔

بجٹ کا ایک بہت بڑا حصہ پولیس کے ادارے کے لئے رکھا گیا ہے۔ چہ جائیکہ کہ اس میں شہداء کے لئے فنڈ زر کھا گیا، یا ہتھیاروں کی خریداری اور دوسرے اہم منصوبوں، تنخواہوں اور پنشن کے لئے رقم مختص کی گئی، مگر پولیس کے ادارے کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی۔

بجٹ میں دوسرا اہم حصہ تعلیم اور صحت کے شعبوں کے لئے مختص کیا گیا ہے۔ شعبہ تعلیم فنڈز کا ایک بہت بڑا حصہ وصول کرتا ہے۔ جو اس شعبے کے مختلف پہلوؤں جیسا کہ بنیادی ڈھانچے کی تعمیر اور اس کی بہتری، اساتذہ کی تربیت، طالبعلموں کے لئے وظائف اور دیگر پروگراموں کے لئے مختص کئے گئے ہیں۔ اس بجٹ کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں خواتین کی تعلیم کے لئے کوئی کوٹہ نہیں رکھا گیا۔ تاہم بجٹ صنفی تقسیم کے حوالے سے انتہائی غیرواضح ہے کیونکہ بجٹ میں اس بات کو مکمل نظرانداز کیا گیا ہے کہ کتنے لڑکے اور کتنی لڑکیاں ہوں گی، ان کا کوٹہ کتنا ہوگا اور حتیٰ کہ بجٹ میں کسی بھی صنف کا کتنا حصہ ہوگا۔

سرکاری سکولوں میں میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کی کلاسوں میں پہلی دس پوزیشن حاصل کرنے والے طالبعلموں کے لئے وظائف کا اجرا ایک احسن حکومتی اقدام ہے کیونکہ اس طرح طلبا کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کی طرف مائل کیا جاسکتا ہے۔ تاہم یہاں پر اس بات کو مدنظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ صوبے کے ہائی سکولوں میں طلباء اور طالبات کی تعداد کتنی ہے۔ صوبے بھر میں لڑکیوں کے سکولوں کی کم تعداد کی وجہ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس فیصلے سے لڑکیوں کی بہت کم تعداد مستفید ہوگی۔ اس لئے اس فیصلے میں اس بات کی انتہائی ضرورت ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کی واضح تقسیم کی جائے، اگر برابر تعداد میں وظائف جاری کئے جائیں تو پہلی پانچ لڑکیوں اور پہلے پانچ لڑکوں کے لئے وظائف جاری کئے جائیں۔

بجٹ میں تعلیم کے بعد صحت کے شعبہ کے لئے سب سے زیادہ فنڈز رکھے گئے ہیں۔ تاہم صحت کی وزارت کے مختلف سیکشن میں بجٹ کی تقسیم کے حوالے سے صورتحال غیرواضح ہے جسکو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔ بےنظیر صحت پروگرام میں ہیپاٹائٹس کے مریضوں کو علاج کی سہولتیں دینے کا اعلان کیا گیا ہے جس کو صنفی طور پر حساس ہونا چاہیے لیکن اس پروگرام میں کہیں پر بھی اس بات کا تذکرہ نہیں کیا گیا کہ بجٹ میں کتنا حصہ خواتین اور بچیوں پر استعمال ہوگا۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ ایسے مرض کی شکار خواتین اور بچیوں کو بےیارومددگار چھوڑ دیا جاتا ہے۔ خواتین کے لئے صحت کی خصوصی سہولیات علیحدہ طور پر مہیا کی جائیں۔ ہسپتالوں اور بنیادی صحت کے مراکز (BHUs) میں خواتین کے امراض کے علاج معالجہ کی بہتر سہولیات کے لئے کوئی واضح لفظ تک موجود نہیں۔

بجٹ میں رقوم کی تقسیم کے حوالے سے ایسے لگتا ہے کہ بجٹ بنانے والی ٹیم بنانے کی اس حوالے کی طرف کوئی توجہ نہیں تھی کہ بجٹ کے عمل میں صنفی حوالوں کی قبولیت کو کس طرح بڑھایا جائے اور انہیں کس طرح ہر سطح پر آگے لایا جائے۔ بجٹ میں بعض مواقعوں پر ایسے لگتا ہے کہ عورتوں یا دوسرے کمزور گروپوں کا ذکر صرف اور صرف اس لئے کیا جاتا ہے تا کہ اس پر تنقید نہ کی جائے تاہم صرف ذکر کرنا ہی کافی نہیں ہوتا ہے کیونکہ ایسے لگتا ہے کہ عورتوں کی خودمختاری حقیقت سے ہٹ کر صرف علامتی بن کے رہ جائے گی۔

اس حوالے سے کچھ مثالیں درج ذیل ہیں:

''مثال کے طور پر سیلاب سے بچاؤ اور بحالی کے لئے جو فنڈز مختص کئے جاتے ہیں وہ ہر گروپ کو کور نہیں کرتے بلکہ کمزور طبقات کو بالکل کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے''

''بیرونی امداد کا تذکرہ تو ہوتا ہے لیکن اس بات کا کہیں ذکر نہیں ہوتا کہ اس میں کو عورتوں اور لڑکیوں کی ترقی کے لئے کتنا فنڈز مختص کیا گیا ہے۔''

''پندرہ سو نوجوانوں کو مختلف اداروں سے ٹریننگ کرانا اور انفارمیشن ٹیکنالوجی بورڈ کا قیام تا کہ آئی ٹی سے وابستہ لوگوں کو روزگار مہیا ہوسکے ایک ایسی مثال ہے جو فنڈز کی ایسی اندھی تقسیم جو صنف کے احساس سے عاری ہے کی نشاندہی کرتی ہے۔''

اسی طرح سے نوجوان ڈاکٹروں کے الاؤنس میں اضافے کے مسئلے کی واضح تشریح کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس سے پتا نہیں چلتا کہ اس پروگرام سے کون مستفید ہوگا۔

حتیٰ کہ کتنی خواتین ڈاکٹرز ایسی سکیموں کا حصہ ہوں گی ؟

بقیہ صفحہ 5 پر

ناروے کی کثیر ثقافتیت پر حملے کے محرکات اور نتائج

بقیہ صفحہ 1 سے

جنگ کے پس منظر سے ہر کوئی آگاہ ہے۔لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ پاکستان کے اندر اس جنگ کا ہماری 'اپنی جنگ' ہونے کے بارے کسی بھی قسم کا اتفاق رائے موجود نہیں ہے جو ہمارے ہاں نظریاتی تقسیم کی پیچیدگی اور گہرائی کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ صورتحال ہمارے اور تمام معاشروں کے پیچیدہ مسائل کی طرف مزید بحث مباحثوں، مزید وسعت قلبی، مزید جمہوریت اور انسانیت کی ضرورت کا تقاضا کرتی ہے۔

22 جولائی کے واقعہ پر ناروے کا ردعمل دنیا بھر کے حساس لوگوں کے اطمینان اور احساسات کے مطابق تھا جسکی وہ توقع کر رہے تھے۔ مزید وسعت قلبی، مزید جمہوریت اور مزید انسانیت۔ جو کہ ناروے کے معاشرے کی مرکزی اقدار کی عکاسی بھی ہے۔ انڈرس بہرنگ بریوک (Anders Behring Breivik) ناروے کی اجتماعی نفسیات سے انحراف ہے۔

''درحقیقت بریوک نے نارویجن معاشرے کی ان اقدار پر حملہ کیا جنکے تحفظ کو انہوں نے ہمیشہ ترجیح دی ۔ برداشت، اجتماعی سماجی جمہوریت اور انسانی حقوق۔ ان حملوں نے ناروے کی امن پسند عوام کو غمناک صورتحال سے دوچار کر دیا حتیٰ کہ ایک چرچ میں ان معصوم متاثرین، جو اُن حملوں کا نشانہ بنے تھے، کے لئے منعقد کی گئی ایک عبادت میں ناروے کا بادشاہ اور ملکہ کھلے عام رو پڑے تھے۔ تاہم تمام نارویجن کا اس پر ردعمل انتہائی پرامن، عظیم، اور پُرعزم تھا۔ مطلب جیسے یہ قوم کبھی بھی دہشت گردی کے خوف کی بنا پر اپنی اقدار کو ترک نہیں کرے گی''، فرحت تاج جو یونیورسٹی آف اوسلو میں پی ایچ ڈی تحقیق کر رہی ہیں نے اپنے ایک آرٹیکل میں لکھا۔

اس نفرت کی طرف ناروے کا ردعمل محبت اور ہمدردی کا تھا۔ ناروے کے وزیراعظم مسٹر جینز سٹالٹنبرگ نے اپنے ایک یادگار خطاب میں نارویجن معاشرے کی اقدار کو قائم رکھنے پر زور دیتے ہوئے بے پرواہی اور سادہ لوحی کے رجحانات کے بارے میں خبردار کیا۔ انہوں نے کہا'' ہم تمام ایک دوسرے سے نارویجن معاشرے کی بنیادی اقدار کے چیمپیئن ہونے کی توقع رکھیں گے۔ اسی انداز سے ہم دہشت گردی اور تشدد کیخلاف اپنا بھرپور ردعمل پیش کریں گے۔ جس کا جواب مزید جمہوریت، مزید انسانیت میں ہے نہ کہ بے پرواہی میں''۔

ہمارے معاشرے (پاکستان) کا سب سے بڑا مسئلہ سادہ لوحی ہے جس کا ہم پچھلے کئی دہائیوں سے مکمل شکار ہو چکے ہیں۔ مگر اب ہمیں اس طویل نیند سے جاگ جانا چاہیے اور ہمارے اطراف میں ان سخت شدت پسندوں اور ان کے نظریات کی موجودگی کی تلخ حقیقت کو قبول کرتے ہوئے اس کا کوئی سیاسی اور جمہوری حل نکالنا چاہیے کیونکہ یہ نظریات پاکستان کے استحکام کے لئے بھی موزوں نہیں ہیں اور پھر یہ بانیانِ پاکستان کے فلسفے اور تصور کے بھی بالکل خلاف ہیں۔

ناروے میں نارویجن عوام کا سادہ لوحی کے ساتھ جنگ کرنا آسان نہیں ہوسکتا کیونکہ بہت سے اہم یورپین ممالک کے دارلحکومتوں میں کثیر ثقافتیت پر پہلے سے ہی بحث جاری ہے۔ تاہم چونکہ سیاسی تنوع اور صنفی مساوات (نسائیت) بہت سارے یورپی اور اسکنڈینیویا ملکوں میں جاری اہم سیاسی اور سماجی اور ثقافتی عمل پر بحث کی بنیادی روح ہیں لہٰذا ان نظریاتی بحثوں کے نتیجے کے طور پر اس بات پر جلد اتفاق رائے ہوسکتا ہے کیا یہ کثیر ثقافتیت مختلف نسلوں اور ثقافتوں کے لوگوں یا ایک مخصوص علاقہ کی قوموں کے لئے ایک 'سلاد کا پیالہ' یا 'گھلنے والی کھٹائی' بن سکتا ہے اہم یورپی رہنماؤں کے درمیان یہ بحث پہلے سے جاری ہے کہ آیا معاشرے میں تارکین وطن کے انضمام کے ذریعے کثیر ثقافتیت کو مضبوط بنایا جائے یا پھر تمام شہریوں کے لئے ایک متفقہ قومی شناخت کی تشکیل کی جائے۔

اگرچہ موجودہ بحث کی کوئی بھی شکل یا سمت ظاہر ہوسکتی ہے مگر کوئی انسان بریوک کے اس عمل کو نظرانداز نہیں کرسکتا ۔ کیونکہ پہلے ہی بہت سے سیاستدان اور مفکرین، جنکا بریوک کے 'مینی فسٹو' میں اسکے نظریے کے حمایتیوں کے طور پر آیا ہے، انہوں نے اس کے اس عمل کی مذمت کی ہے اور اور اس سے لاتعلقی اختیار کی ہے۔

تاہم اس کے مذموم اقدام سے وہ خطرات ابھر کر سامنے آئے ہیں جو یورپ اور اسکینڈنیویا کے ممالک میں انتہائی دائیں بازو کی سوچ کے پیچھے کہیں پوشیدہ تھے، اور اگر ان کو بروقت عقلمندی کے ساتھ روکا نہ گیا تو یہ کتنا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ صرف اور صرف کثیر ثقافتیت اور اہم موضوعات پر کھلے دل و دماغ کے ساتھ بحث مباحثوں کے آغاز سے ہی بریوک کے اثرات کو زائل کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ بریوک کی حکمران لیبر پارٹی کے کثیر ثقافتیت اور صنفی مساوات کے خلاف چارج شیٹ خود اس کے اپنے خلاف فرد جرم بن گئی جب لیبر پارٹی کی قیادت نے بے مثال نارویجن کثیر ثقافتیت کے دفاع اور اس کو تحفظ دینے کے عزم کا اظہار کیا۔

نارویجن کثیر ثقافتیت کو بہت سارے محاذوں کے ساتھ نبرد آزما ہونا ہے لیکن ان میں سے دو محاذ انتہائی اہم ہیں۔ دائیں بازو کی جماعتوں اور ان کے نظریات کے ساتھ نظریاتی بحث ایک بہت بڑی جنگ ہے۔ دوسرا نارویجن لوگوں کی اپنی کثیر ثقافتیت کو محفوظ بنانے کی جدوجہد اس بات کی متقاضی ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ جڑنے کی حکمت عملیوں کو ہر صورت میں دوبارہ سے دیکھا جائے جسکا علامتی اظہار آج نارویجن ''ہم'' کی شکل میں کیا جا رہا ہے۔

اس ذہنی جنگ کا ایک محاذ تارکین وطن طبقہ ہے۔ یہ وقت کا اہم تقاضا ہے کہ پاکستان جو تارکین وطن طبقے میں سب سے بڑی اکثریت میں ہیں، اپنے دل اور دماغ سے اپنے نارویجن ہونے کی مکمل تبدیلی کو محسوس کریں۔ انہیں چاہیے کہ وہ نارویجن کی طرح سوچیں، رویے اپنائیں اور ان کی طرح عمل کریں نہ صرف اس بنیاد پر کہ ان کے پاس ناروے کی شہریت ہے بلکہ اس بات کو سمجھیں کہ ناروے اس وقت بھرپور کوشش کر رہا کہ وہ سماجی ملاپ کی کوئی بہترین شکل پیش کر سکے۔

ان کو ناروے کا ماڈل شہری بننا چاہیے۔ ان میں سے بہت سارے پاکستانی حکومتی اور پبلک سروس کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ یہ پاکستانی تارکین وطن کی پہلی نسل ہے جو ناروے میں آباد ہوگئی تھی۔ اب ناروے ان کی دوسری یا ہوسکتا ہے تیسری نسل کا وطن ہے۔ یہ اب اپنی مرضی سے نارویجن ہیں نہ کہ پاکستانی۔ ناروے نے انہیں سب کچھ دیا ہے جن میں سب سے اہم عزت نفس ہے۔ پھر بھی بہت سے مسائل ہیں جو کہ اصلاح کے متقاضی ہیں۔

فرحت تاج نارویجن معاشرے سے متعلق اپنے تجربات کے حوالے سے لکھتی ہیں: ''ناروے میں ابھی بھی پاکستانیوں کے متعلق تحفظات موجود ہیں۔ جس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ ناروے کے پاکستانیوں میں سے اکثریت پاکستان سے لڑکیاں بیاہ کر لاتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ آج بھی ایسے پاکستانیوں کی آمد کا سلسلہ جاری ہے جو ناروے کے ملک اور اس کی اقدار کے نظام کے متعلق کچھ نہیں جانتے اس عمل سے پاکستانی تارکین وطن کو ناروے میں میل ملاپ کے عملی مسائل کا سامنا ہوتا ہے جس پر ناروے کے بہت سارے لوگوں کے تحفظات ہیں۔ دوسرا پاکستانیوں کے مسلمان ہونے کی شناخت ان کی پاکستان کی تمام شناختوں پر غالب آجاتی ہے۔ یہ سب نارویجن معاشرے کی طرح مغربی ممالک اور دوسرے علاقوں میں واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے کیونکہ نائن الیون کے حملوں کے بعد مذہب اسلام کے بارے میں خوف سا پیدا کیا جا رہا ہے''۔

یہاں پر میرا ایک سیدھا سوال ہے کہ پاکستانی نارویجن جو کہ ناروے میں پیدا ہوئے وہاں پر ہی شادی کیوں نہیں کرتے جہاں پر وہ رہتے ہیں؟ وہ اپنی کمیونٹی میں بھی شادی کر سکتے ہیں۔ اگرچہ میں ہمیشہ یہ سمجھتا رہا ہوں کہ خاندان سے باہر اور دوسری نسل کے لوگوں کے ساتھ کی شادیاں ایک صحت مندانہ عمل ہے پھر بھی اسے بچوں کے اپنے انتخاب پر چھوڑ دینا چاہیے۔ اگر بچوں کے پاس حیاتیاتی تعین کے تحت جائے پیدائش، والدین، صنف، ثقافت اور مذہب کے انتخاب کا کوئی حق موجود نہیں ہے تو پھر جب وہ جوان ہوں تو اس وقت تو انہیں کم سے کم جیون ساتھی، تعلیم، ملازمت وغیرہ کے متعلق آزادانہ فیصلے تو کرنے دینا چاہیے۔ ہمیں کثیر ثقافتیت کے تحت نوجوان نسل کی صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت پر اعتماد کو میل ملاپ کے ماڈل کا اہم جزو بنانا چاہیے۔

یہ بحث صنف، صنف اور نسائیت کے بارے میں مضبوط بنیادیں مہیا کرتی ہے۔ لڑکیوں کو اس امتیاز کی قیمت اس وقت چکانی پڑتی ہے جب وہ اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ شادی کرتی ہیں۔ پسند کی شادی کا بنیادی حق جو ہر بالغ پاکستانی عورت اور مرد کو مذہب اور آئین نے دیا ہے، اس سے انکار غلط سمت میں پہلا قدم ہے۔ اس کا نتیجہ زبردستی کی شادی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اگر لڑکا اپنے والدین کے دباؤ کے تحت یا پھر اپنے پدرسری میلان کی وجہ سے گجرات کی کسی لڑکی سے شادی کر لیتا ہے تو فرمانبردار لڑکی اپنے آپ کو ایک نئے ماحول میں اجنبی محسوس کرے گی یا کسی تعلیم یافتہ نارویجن پاکستانی لڑکی کو اس کے آبائی گاؤں میں شادی کے لئے مجبور کیا جائے تو ایک کم پڑھے لکھے اور مہذب لڑکے کے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوگا۔ یہ بے جوڑ معاملے، عموماً زبردستی کے، دراصل ایسے عجیب ٹکڑے ہیں جو کثیر ثقافتیت کی پیچیدہ اور بڑے تناظر والی تصویریں بنا نہیں سکتے جسکی تکمیل اور تحفظ کیلئے ناروے سرتوڑ کوشش کر رہا ہے۔

تارکین وطن کو اپنے سماجی دھارے میں شامل کرنے کے لئے ناروے کا ایکشن پلان چار چیزوں میں انتہائی دلچسپی لے رہا ہے: کام، بچپن اور بلوغت، تعلیم اور زبان، صنفی مساوات اور شمولیت۔ سماجی شمولیت کے سلسلے میں کوششیں اگر کامیاب بنانی ہیں تو یہ ایک انتہائی مشکل معاملہ ہے۔ دوسرے اقدامات کے ساتھ اس ایکشن پلان کا مطلب ہے کہ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ ناروے کے ہر شہری کو یکساں مواقع مہیا کئے جائیں تاکہ وہ کمیونٹی کی فلاح و بہبود کے لئے اپنا کردار ادا کر سکے۔

''ناروے کے ایکشن پلان پر بحث جاری ہے جس میں یہ دیکھا جا رہا ہے کہ آیا تارکین وطن کا انضمام کامیاب ہے کہ نہیں۔ ایک نئی یورپی تحقیق کے مطابق ناروے نے اس سلسلے میں کئی کامیابیاں حاصل کی ہیں اور ہم خوشی سے اس بات کی تصدیق کرتے ہیں''۔ یہ بات ناروے کے وزیر برائے افراد قوت و سماجی شمولیت، بجارن ہیکن جینسن نے اوسلو اور اٹوا کے حالیہ حملوں سے کئی مہینے پہلے کہی تھی کہ۔ ''ہم تارکین وطن کی سماج میں شمولیت اور انکے کام کاج کے حوالے سے کی گئی اعلیٰ درجہ بندی سے بہت مطمئن ہیں۔ تحقیق اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ شمولیت پر توجہ دینا بہت ضروری ہے۔ اس لئے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ حکومتی ایکشن پلان کو مضبوط بنایا جائے۔''

کسی کو بھی اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ بریوک کا منشور تحریک نسواں اور کثیر ثقافتیت پر ایک طاقتور تنقید ہے۔ وہ کثیر ثقافتیت کا کٹر مخالف ہے۔ اس کا منشور، جو اس کی سوچ اور ناپسندیدگی کو واضح کرتا ہے، کے مطابق پورے یورپ میں ترقی پسند اور تارکین وطن حمایتی پالیسیاں 'ڈیموگرافک جہاد' کو دعوت دے رہی ہیں جو کہ اگلی چند دہائیوں میں پورے یورپ میں مسلم اکثریت میں بدل جائیگا۔'' یقیناً نارویجن قاتل کا نظریہ بڑی تعداد میں پھیلا جس کی تفصیل اس کے پندرہ سو صفحات پر مشتمل ایک آن لائن منشور میں واضح ہے جو بے ہودہ اور واہیات ہے۔ اس کا مرکزی نقطہ اسلام اور مسلمانوں سے نفرت ہے۔ جنہیں وہ چاہتا ہے کہ یورپ چھوڑ دیں۔ اس کی جڑیں خود ساختہ قدامت پسند عیسائیت میں ہیں۔'' سوماس ملن نے اوسلو اور اٹوا میں حملوں کے کچھ دن بعد گارڈین اخبار میں چھپنے والے اپنے مضمون میں لکھا۔

'' پکڑے گئے دہشتگردوں کے بارے میں کئی تحقیقاتی رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ خواہ انکے حملوں اور دھماکوں میں کتنا ہی پاگل پن کیوں نہ ہو ان میں شاذو نادر ہی کوئی ذہنی مریض یا نفسیاتی طور پر بیمار شخص ہوگا۔ بریوک اس سلسلے میں ایک استثناء بھی ہوسکتا ہے لیکن اس کا یہ دعویٰ کہ اس کے ساتھ ایک فاشسٹ عیسائی نیٹ ورک کے ممبران بھی ہیں، کتنا صحیح اور غلط ہے، مگر اس نے واضح طور پر کئی بیرونی ممالک اور بالخصوص برطانیہ کے کچھ گروپوں کے ساتھ اپنے تعلقات کا اقرار کیا ہے''، دسوماس ملن مزید لکھتا ہے۔

میرے نزدیک آنے والے برسوں میں اس طرح کے حالات مزید تلخیاں لائیں اور ممکن ہے ہمیں مزید تکالیف کا سامنا ہو۔ پھر بھی اگر انسانیت نے اس پر خاموش رہنے کی غلطی کرتے ہوئے اس کا مناسب دفاع نہ کیا، اور اجتماعیت اور کثیر ثقافتیت کا تحفظ اپنے اپنے ماڈل اور طریقہ کار سے ہٹ کر یقینی نہ بنایا تو جس طرح مختلف سوشل اور کلچرل سکالرز نے نشاندہی کی ہے کہ مستقبل میں صرف وہی گلوبل سوسائٹی ترقی اور خوشحالی کی منزل حاصل کر سکے گی جو کثیر ثقافتیت کے دھارے اور مختلف ثقافتوں کی پُرامن بقائے باہمی کے تعلق میں جڑی ہوئی ہوگی۔

ناروے کو اس وقت اپنے وضع کردہ اصولوں اور اقدار کے تحفظ میں چیلنجوں کا سامنا ہے۔ لہٰذا ایسے حالات میں اسے تنہا نہیں چھوڑنا چاہیے بلکہ سب کو ایک ساتھ مل کر اس جدوجہد میں ناروے کا ساتھ دینا چاہیے۔

(مضمون نگار عورت فاؤنڈیشن سے منسلک ہے)

تیزاب پر کنٹرول اور جرائم کی روک تھام کا بل منظور کر دیا

قومی اسمبلی نے 10 مئی 2011 کو متفقہ طور پر اور تیزاب پر کنٹرول اور جرائم سے روکنے کا بل، 2011 منظور کر دیا ہے جس کے تحت مجرمان پر 14 سال قید سے عمر قید کی سزا اور دس لاکھ روپوں تک کے جرمانے عائد کئے جاسکیں گے۔

بل کے مطابق خواتین پر تیزاب پھینکنے کے جرائم میں مسلسل اضافے کا رجحان تھا جس کی بنیادی وجہ ایسے سنگین جرائم پر قوانین کی عدم دستیابی سامنے آئی تھی، قانون کا نہ ہونا تھا۔ ایک بیان کے مطابق اس بل کے متعارف کرانے کا مقصد اور وجہ یہ بتائی گئی تھی کہ تیزاب کی طلب ورسد کیلئے بھی کوئی مخصوص قانون تک نہیں تھا۔ اس بل کا مقصد تیزاب کی درآمد روکنا، اس کی پیداوار کو روکنا، نقل وحمل، ذخیرہ اندوزی، خرید وفروخت، کو روکنا تھا تاکہ اس کے غلط استعمال کو مناسب انداز میں روکنے کے اسباب کئے جاسکیں، اور اس سے متاثرہ لوگوں کو قانونی تحفظ دیا جاسکے۔

یہ بل سال 2010 میں ایم این اے ماروی میمن، بیگم شہناز شیخ، اور انوشہ رحمان نے قومی اسمبلی میں متعارف کرایا تھا تاکہ خواتین کے خلاف روز بروز بڑھتے ہوئے سنگین جرائم کا سدباب کیا جاسکے۔ قومی اسمبلی کی قائمی کمیٹی برائے خواتین نے اس بل پر کافی غور وخوض کرنے کے بعد پاکستان پینل کوڈ 1860 میں کچھ ترامیم کے ساتھ پچھلے مہینے پاس کر دیا۔ بل کے سیکشن 336-B میں ترمیم کی گئی جس کے مطابق ''کوئی بھی شخص جان بوجھ کے کوئی بھی ایسی چیز کسی خاتون پر پھینکے جس سے اس کا بدن جھلس جائے تو ایسے مجرم کو عمر قید یا کم سے کم 14 سال اور کم سے کم جرمانہ دس لاکھ عائد کیا جائیگا۔''

نئی شق 336-A کے مطابق ''کوئی بھی شخص جان بوجھ کے اپنی مرضی سے کوئی بھی ایسی چیز کسی خاتون پر پھینکے جس سے اس کا بدن جھلس جائے یا زہریلا مشروب پلائے، زہریلی چیز سونگھائے یا کوئی بھی ایسی چیز جس سے جان کو خطرہ ہو''

ماروی میمن نے بل پاس ہونے کے بعد پارلیمنٹ کا شکریہ ادا کیا۔ ایم این اے بشریٰ گوہر نے کہا کہ بل پاس ہونے پر پارلیمنٹ نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے۔ انہوں نے اس بات کی امید ظاہر کی کہ ایوان بالا سینٹ بھی اس کو متفقہ طور پر منظور کر دے گا۔ ڈاکٹر عذرا افضل پیچھو، فوزیہ اعجاز اور فوزیہ وہاب نے کہا اس بل کے پاس ہونے کے بعد عورتوں کے خلاف تیزاب پھینکے جیسے سنگین جرائم کو روکنے میں معاون ثابت ہوگا۔

سپریم کورٹ نے متوازی عدالتی نظام پر سوالات اٹھا دیئے

سپریم کورٹ آف پاکستان نے 27 مئی کو ونی یا سوارا (تنازعات کے حل کے لئے خواتین کا تبادلہ) کے ایک واقعے پر سخت نوٹس لیتے ہوئے کہا کہ کس طرح ابھی تک صوبہ سندھ میں جرگہ کے ذریعے ایک متوازی عدالتی نظام چل رہا تھا۔

ایک تین رکنی بنچ جس میں چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری، جسٹس محمد سائر علی اور جسٹس غلام ربانی نے ثمر من اللہ کی طرف سے دائر ایک درخواست، جس میں سکھر کے علاقے میں ونی / سوارا کے واقعے کی سماعت کی درخواست کی گئی تھی' سماعت کے دوران اس تین رکنی بنچ نے ٹرائل کورٹ کو حکم دیا کہ وہ اس کیس کی سماعت کرے اور چالان پیش ہونے کے بعد تین ماہ کے اندر فیصلہ کرے۔ اس کیس کو نمٹاتے ہوئے، بنچ نے حکم دیا کہ اس کیس میں پیش رفت کی رپورٹ رجسٹرار آفس میں جمع کرائی جانی چاہیے۔

ایڈووکیٹ جنرل سندھ عبدالفاتح ملک نے عدالت سے استدعا کی کہ 1999 میں چار افراد کو قتل کر دیا گیا تھا لیکن نو ممبران پر مشتمل ایک جرگے نے حال میں اس کیس کا فیصلہ سناتے ہوئے حکم دیا کہ قتل کرنے والے اپنے خاندان کی آٹھ سے پندرہ سال کی بارہ بچیاں مقتولین کے خاندان کو دیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس جرگہ نے قتل کرنے والوں پر 27 لاکھ جرمانہ بھی عائد کیا۔ جرگہ کے دو ممبران بشمول چار لڑکیوں کے باپ کے اور وڈیرے کا بیٹا گرفتار ہو گیا تھا جب کہ دوسرے بھاگ گئے تھے۔ اس نے کہا کہ وڈیرہ محمد مراد کو بھی پولیس نے گرفتار کیا تھا۔

ایڈووکیٹ جنرل نے کہا کہ سندھی لہجے 'تانو' میں کسی کو ملزم بنانا ایک بڑی توہین تصور کی جاتی ہے اور ان الزامات سے چھٹکارا پانے کے بدلے میں لڑکیاں دے دی جاتی ہیں۔ اعتزاز گورایہ، ڈی پی او، نے بنچ کو آگاہ کیا کہ وہ ملزمان کی گرفتاریوں کے لئے کوششیں کر رہے ہیں۔ ڈی پی او نے کہا کہ انہوں نے اس حوالے سے ایک پندرہ سالہ لڑکی ارشاد کا بیان بھی ریکارڈ کر لیا ہے۔

ثمر من، انسانی حقوق کی سرگرم کارکن، سوارا سے متاثرہ خاندانوں کی طرف سے عدالت میں پیش ہوئیں اور کہا کہ یہ رسم پاکستان پینل کوڈ کی دفعہ 3 زیر دفعہ 10۔اے اور سندھ ہائی کورٹ کے فیصلے کی خلاف ورزی ہے۔

خیبر پختونخواہ کا بجٹ

بقیہ صفحہ 3 سے

صوبائی بجٹ میں غربت کے خاتمے اور سماجی معاشی ترقی کے منصوبوں کے ساتھ ساتھ مختلف پروگرامز اور سکیمیں شامل ہیں۔ لفظ عورت ان منصوبوں اور سکیموں میں بھی ابھر کر سامنے آتا ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ صوبے میں بہت ساری خواتین ان پڑھ ہیں اور قرض لینے جیسے مشکل عمل سے واقف نہیں ہیں اس لئے ایسے پروگراموں سے فائدہ اٹھانا خواتین کے لئے ناممکن نظر آتا ہے۔ ایسے حالات وہ 'باچا خاں روزگار پروگرام' جیسے منصوبوں سے کس طرح فائدہ حاصل کریں گی جس کا حصول ان کے لے ناممکن نظر آتا ہے کیونکہ یہ پروگرام پہلے آؤ اور پہلے پاؤ کی بنیاد پر ہے۔

بجٹ میں باچا خان ہنرمند پروگرام کی مثال میں جینڈر کا احساس رکھا گیا ہے جس کے اندر عورتوں کے لئے قرض کے حصول کے لئے 30 فیصد کوٹہ رکھا گیا ہے تاہم بہتر ہوتا کہ ایسے اقدامات بجٹ میں دوسری نئی سکیموں کا اعلان کرتے ہوئے ملحوظ خاطر رکھے جاتے اور مختلف وزارتوں کو اس سلسلے میں فنڈز دیے جاتے۔

وزارت بہبود و ترقی نسواں کو بجٹ میں مکمل نظرانداز کیا گیا ہے۔ اٹھارویں ترمیم کے بعد عورتوں کی وزارت کو زیادہ اہمیت دی جانی چاہیے تھی۔ کیونکہ اس وقت صوبے میں عورتوں کی ترقی کی رفتار بالکل صفر ہے۔ بدقسمتی کی بات ہے کہ وفاق سے اختیارات اور وزارتوں کی صوبوں کو تحلیل کے بعد بھی عورتوں کو مکمل نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ بجٹ میں وزارت بہبود و ترقی نسواں کا ذکر کیا گیا ہے لیکن بجٹ تقریر اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ صوبے کی خواتین کی حقیقی ترقی کے لئے کسی بھی قسم کے وعدے اور دعوے کا اعادہ نہیں کیا گیا۔ وزارت بہبود و ترقی نسواں کو صوبے میں خواتین کو مختلف ہنر اور فنون سے مہارتیں مہیا کرنے والے کچھ مراکز کھولنے کی اجازت دی گئی ہے۔ وزارت بہبود و ترقی نسواں کے مختلف منصوبوں اور اقدامات جیسے ہنرمند مزدور کو ماہانہ وظیفہ، پڑھے لکھے بے روزگار نوجوانوں کے لئے وظائف اور 540 معذور افراد کو ان کی ضرورت کی اشیاء اور سامان مہیا کرنے جیسی سکیموں اور منصوبوں میں کہیں پر بھی اس بات کا واضح اشارہ نہیں ہے کہ اس سے کتنی عورتیں اور بچیاں فائدہ اٹھاسکیں گی۔

پہلی نظر میں بجٹ دستاویز ایسے لگتی ہے کہ اس میں ہر جنس کے لئے تفصیلی کام کیا گیا ہے لیکن ایک تفصیلی مطالعے سے اس بات کا واضح پتہ چلتا ہے کہ یہ دستاویز صنف کے احساس سے عاری ہے۔ تاہم حکومت کی معاشی ٹیم کا یہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے صوبہ میں دہشت گردی، سیلاب کی تباہ کاریوں اور اٹھارویں ترمیم پر عمل جیسے مشکل معاملات میں بجٹ بنایا۔ حکومتی ٹیم کا کام قابل تعریف ہے اور امید کی جاتی ہے کہ مستقبل میں خیبر پختونخواہ کے لوگوں کے لئے صوبائی بجٹ کی تیاری میں صنف کا خیال رکھا جائے گا۔

(تحریہ کار انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ سائنسز، پشاور میں لیکچرار ہیں)

اداریہ

جب برطانیہ نے انڈیا چھوڑا تو انہوں نے ایک دعویٰ کیا کہ ان کے نو آبادیاتی نظام کو آزاد پاکستان اور انڈیا کبھی بھی تبدیل نہیں کریں گے کیونکہ قانون اور امن کو بحال رکھنے کے لئے ان کو اس سے بہتر نظام نہیں ملے گا۔ یہ سب اس وقت بالکل صحیح ثابت ہو گیا جب نگران گورنر سندھ نثار احمد کھوڑو نے 6 جولائی 2011 کو تین آرڈیننسز پر دستخط کر دیئے۔ جن میں سے ایک آرڈیننس کے مطابق کمشنری نظام کو بحال کر دیا گیا، دوسرے کے تحت 2001 کے مقامی حکومتوں کے نظام کو 1979 کے آرڈیننس سے تبدیل کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ 1861 کا پولیس کا نظام بھی بحال کر دیا گیا۔ حکومت نے دعویٰ کیا کہ یہ سب کچھ کراچی میں امن وامان کے دگرگوں حالات کو درست کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ انڈین پنجاب کی حکومت نے بھی کچھ اسی طرح کی وجوہات کی بناء پر جنوری 2010 میں تین بڑے شہر امرتسر، جالندھر، اور لدھیانہ میں کمشنری نظام بحال کرنے کے اقدامات اٹھائے، بقول انکے، تاکہ ان شہروں کی تیزی سے بڑھوتری، آبادی میں خوفناک اضافہ، اور شہروں کی طرف لوگوں کی ہجرت کی بناء ان شہروں کی آبادی کے تناسب میں مستقل تبدیلی کی وجہ سے قانون، امن اور اندرونی تحفظ کی پیچیدہ صورت حال کو سنبھالا جاسکے۔

سندھ حکومت کے اقدام کو کراچی کے معصوم عوام کی آئے روز قتل وغارت سے نجات دلانے کی آخری کوشش بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ تاہم اسے ہرگز مقامی حکومتی نظام کا پائیدار جمہوری متبادل نہیں کہا جاسکتا کہ جو شہریوں کے بنیادی حقوق جیسے پانی، صفائی، صحت، اور عوام کی رائے کو یقینی بنانے کے لئے ضروری ہے۔ اس نو آبادیاتی نظام کے اندر خواتین کی کئی سالوں کی تاریخی جدوجہد اور سیاسی خودمختاری، جو کہ 2001 کے مقامی حکومتی نظام میں موجود ہے، کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ برسہا برس کے تجربے سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سیاسی قیادت اور بالخصوص روایتی طور پر کمزور عورتوں کے حقوق کی آواز بلند کرنے والی خواتین کی قیادت کے لئے مقامی حکومتی نظام ایک تربیت گاہ ہے۔ کمشنری نظام کی بحالی مقامی سطح پر حکومتی معاملات چلانے میں عوامی شمولیت کی حوصلہ افزائی کے عمل کو تباہ کر دے گی۔

اٹھارویں ترمیم کے ساتھ اختیارات کی صوبوں کو منتقلی کے بعد مقامی حکومتی نظام کی بحالی ناگزیر ہو گئی ہے۔ یہ نظام ڈیولیوشن کی روح یعنی عوام تک طاقت کی یقینی منتقلی کو ممکن بنائے گا۔ ملک بھر سے سول سوسائٹی کی تنظیمیں سندھ حکومت سے یہ مطالبہ کر رہی ہیں کہ وہ مقامی حکومتوں کے انتخابات کرائے اور حکمرانی کے اس تیسرے حکومتی ستون کو واپس لائے۔ آئیں اس بات کو بھول جائیں کہ یہ نظام ایک فوجی گورنمنٹ نے متعارف کرایا تھا مگر اس نظام نے یہاں پر جمہوری اقدار کے ساتھ عوامی احساس ملکیت کا جذبہ پیدا کیا۔ جمہوریت کو اگر عوامی تائید حاصل ہو تو یہ ہر طرح کا معجزہ کر سکتی ہے۔

عورت پبلیکیشن اینڈ انفارمیشن سروس فاؤنڈیشن

قانون سازی پر نظر

'قانون سازی پر نظر' عورت پبلیکیشن اینڈ انفارمیشن سروس فاؤنڈیشن کے لیجسلیٹو واچ پروگرام فار ویمنز امپاورمنٹ کی رسورس سروس کی طرف سے اسلام آباد سے تیار کیا جاتا ہے۔

ایڈوائزری بورڈ

آئی۔اے۔رحمان، طاہرہ عبداللہ، نعیم مرزا

ایڈیٹوریل بورڈ

وسیم واگھا، ثروت وزیر

آپکے خطوط، آراء اور تحریریں باعث خوشی ہونگی۔ رابطہ کیلئے:

عورت فاؤنڈیشن، مکان نمبر 12، سٹریٹ نمبر 12، F-7/2، اسلام آباد

فون: 051-2608956-8 ای میل: lwprs@af.org.pk

فیکس: 051-2608955 ویب سائٹ: www.af.org.pk

پرنٹنگ بشکریہ: ایم ایف اے، ناروے

سوارا۔ بھرے پانیوں پر ایک پُل

تحریر: ثمر من اللہ

وقت کے ساتھ ایک متحرک پیروکاری مہم کے ذریعے سوارا، ونی یا سنگ چٹی جیسی ثقافتی راوایات کو خاموشی کے سائیوں، مسلسل تردید اور پابندیوں کے برخلاف اُنکی نشاندہی کرنے میں کامیابی ہوئی جو بنیادی انسانی حقوق کی پامالی کا ذریعہ تھیں۔ سوارہ، ونی یا چٹی ثقافتی طور پر قابل قبول تشدد کی اور جھگڑوں کے تصفئے کا ایسا متبادل طریقہ ہے جس میں سرمایہ یا وقت خرچ کئے بغیر روایتی امن کے قیام کے روایتی اداروں کے ذریعے اپنے جھگڑے (جو اکثر قتل غارت سے پیدا ہوتے ہیں) حل کئے جاتے ہیں اور جس سے وہ پیچیدہ عدالتی نظام کا سامنا کرنے سے بھی بچ جاتے ہیں۔

یہاں پر لڑائی جھگڑے کے حل کی قیمت عورت یا لڑکی کی صورت میں حملہ کرنے والوں کے خاندان کی طرف سے متاثرہ خاندان کو اس کے گھر میں بغیر کسی بندھن کے داخل ہونے کی شکل میں دی جاتی ہے، تاکہ ظلم کرنے والے خاندان کو اس ناانصافی کا احساس دلایا جاسکے جو انہوں نے متاثرہ خاندان کے ساتھ برپا کی۔ پاکستان کے نظام حکمرانی میں انصاف تک رسائی اور اس کا حصول ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ بالخصوص ضلعی عدالتوں میں صورتحال انتہائی خطرناک سطح پر ہے جہاں پر عام شہری انصاف کے حصول کے لئے دستک دیتے رہتے ہیں۔ پاکستان کے مختلف علاقوں کی سول سوسائٹی کی تنظیموں کے ممبران بھی درپیش مسئلے کے حل کے لئے پنچائیت کے نظام پر اپنے اعتماد کا اظہار کر رہے ہیں۔

متوازی عدالتی نظام پر اس اعتماد کی وجہ صرف اور صرف رسمی اداروں کا غیر موثر ہونا ہے۔ حتیٰ کہ معاشرے کا ایک ایسا حصہ جرائم کی پاداش میں اپنی بیٹیوں کو جرگہ کے مرہون منت چھوڑ دیتا ہے۔ دیہاتی علاقوں کے لوگ عام طور پر عدالتوں میں جانے سے گریز کرتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں اس پر زیادہ خرچ آئے گا اور فیصلے بھی تاخیر سے ہوتے ہیں اس لئے انہیں انصاف کے رسمی نظام تک رسائی کا حصول انتہائی مشکل کام نظر آتا ہے۔

لوگ عمومی طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ پولیس بااثر لوگوں کی طرف داری کرتی ہے اس لئے لوگ اپنے معاملات جرگہ میں لے جانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ کچھ عدالتی نظام سے رجوع کرتے بھی ہیں تو دباؤ اور مشکلات کی وجہ سے اپنا کیس واپس لے لیتے ہیں،۔ جرگہ جو کہ چھوٹے معاملات کو حل کرنے کے لئے ایک غیر رسمی ڈھانچہ ہے اور علاقے کے بزرگوں پر مشتمل ہوتا ہے، اکثر کسی بھی کیس کا فیصلہ کرتے ہوئے بااثر افراد کے حق میں فیصلہ دیتا ہے۔ جرگہ جس میں شامل تمام ممبران مرد حضرات ہوتے ہیں جنہوں نے کبھی بھی فیصلہ کرتے ہوئے عورتوں سے ان کا موقف نہیں سنا۔

چونکہ ہمارے جمہوری اداروں میں قبائلی سربراہ اور سرداروں کی اکثریت ہے جو اپنے اپنے علاقوں میں جرگوں کی سربراہی کرتے ہیں تو وہ کس طرح اس کی روک تھام کیلئے قانون سازی کریں گے جس سے آخر کار معاشرے کے کمزور طبقات کے سامنے ان کی طاقت اور اثر کمزور ہو۔

سال 2002 کے دوران میانوالی کے اباخیل ونی کیس کے حل کے لئے نواب آف کالاباغ نے سوال طلب کردار ادا کیا جس کے تحت صدیوں پرانے جھگڑوں کو نمٹانے کے عوض آٹھ لڑکیوں کو تلافی کے طور پر دیا گیا۔ اسی طرح میروالا کی مختار مائی کو سزا دینے والے جرگے نے اسے اس کے بھائی کے مبینہ جرم کی سزا دی۔ ماضی قریب میں ہری پور کے علاقے میں ایک بوڑھی خاتون کو اس کے بیٹے کے مبینہ جرم کی سزا کے تحت جرگہ کے حکم پر ننگا گھمایا گیا۔

سال 2006 میں کشمور میں ایک سانحہ رونما ہوا جہاں پر پانچ چھوٹی لڑکیوں کو مخالف پارٹی کو تلافی کے طور پر دیا گیا تھا۔ اس بار بھی ایک پارلیمینٹیرین اور ضلعی ناظم اس جرگے کا ممبر تھا۔

ایک تحقیق کے مطابق 'غیرت کے نام پر قتل' کے بہت سارے واقعات، دشمن سے بدلہ، یا زمین پر قبضہ، یا پھر کسی امیر آدمی پر کارو کاری کا الزام لگا کر پیسہ کمانے کے لئے کئے جاتے ہیں۔ جرگہ کے سربراہ کے فیصلے کے تحت قصور وار کو بھاری قیمت کے عوض چھوڑ دیا جاتا ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ماضی میں انتظامی معالات چلانے کے لئے جرگہ بڑی اہمیت کا حامل تھا لیکن اب یہ عورتوں کے خلاف ثقافتی طور پر تشدد کی اقسام جیسے سوارا جو پاکستان کے مختلف علاقوں میں رائج خون بہا، ونی، اور سنگ چٹی کے نام سے رائج ہیں انکی حمایت کے طور پر سامنے آرہا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان میں سے کوئی بھی کیس کبھی بھی عدالت کی رسمی کاروائی میں پیش نہیں ہوا، نہ کبھی پولیس میں رپورٹ ہوا، اور نہ ہی عدالت میں مزید کاروائی کے لئے پیش ہوا، جس کی وجہ سے قصور وار آزاد گھومتے پھرتے ہیں ان کا حتساب تک نہیں ہوتا۔ تاہم ایک خاص حد تک تلافی کے طور پر عورت کی حوالگی کے مطالبے کو قبول کیا جاتا ہے۔ ایسی ذہنیت اس طرح کے رواج کی سماجی قبولیت کی حمایت جاری رکھتی ہے۔

انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے کے مطابق ہر کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے لئے قانون میں محفوظ حقوق کی پامالی کے خلاف فوری انصاف کے لئے قومی ٹریبونل سے رجوع کر سکتا ہے۔

جرگہ کبھی بھی مروج قانونی ضابطے پورا نہیں کرتا اور نہ ہی اسے کبھی بھی ایک قومی ٹریبونل کے حوالے کے طور پر لیا گیا ہے۔ ان سے دور رہ کر بھی کام کرنے کے باوجود ماضی میں ان کو دوبارہ سے زندہ کرنے کی تحریکیں چلتی رہی ہیں۔ حکومت سندھ نے 'سندھ تنازعات کا صلح پسندی سے تصفئے کا آرڈیننس 2004'

(Sindh Amicable Settlement of Disputes Ordinance 2004) کے ڈرافٹ کی تیاری کا حکم دیا۔ یہ ہدایت سندھ ہائیکورٹ کے سکھر بنچ کے 24 اپریل 2004 کے ایک فیصلے کے خلاف دی گئی۔ کیونکہ اس فیصلے کے مطابق صوبے بھر میں جرگے کے انعقاد کی ممانعت اور انہیں غیر قانونی اور غیر آئینی قرار دیا گیا تھا۔ صوبائی حکومت کی یہ ہدایت سندھ ہائیکورٹ سکھر کے فیصلے کے خلاف تھی جس نے جرگے کو قانونی تحفظ دیا تھا۔ ماضی میں حکومتی سرکٹ ہاوسز اور اعلیٰ افسران کی رہائش گاہوں پر جرگے منعقد ہوتے تھے جو کہ سندھ ہائیکورٹ کے فیصلے کی سراسر خلاف ورزی تھی۔

ملک میں متوازی عدالتی نظام عدل جس میں جرگہ اور پنچائیت کو بریت یا استثناء کے ساتھ نبرد آزما ہونا ہوتا ہے اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ ملک میں مروج قانون سب کے لئے یکساں نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ سے کمزور لوگوں کو انصاف ملنے کی توقع کم ہو جاتی ہے۔ قبائلی عدالتیں مقامی پولیس اور انتظامیہ کی وجہ سے ابھر کر سامنے آئیں جو یہ چاہتی تھیں کہ جرائم کا اندراج ہی نہ ہو۔ جاگیردار، سیاستدان، پولیس، بیوروکریسی اور پارلیمینٹیرین جرگے کے نظام کے زندہ رہنے اور اس کی بڑھوتری کے لئے ایک ساتھ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔

ونی، چٹی یا سوارا کو امن کے قیام کیلئے استعمال کرنے کے اوپر اٹھائے گئے سوالات میں کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ یہ تصور کہ سوارا قتل کے جھگڑوں کے حل اور امن کے قیام میں موثر کردار ادا کرتا ہے، اس پر سنجیدہ سوالات اٹھتے ہیں۔ سوارا کے حوالے سے عدالتی ڈھانچے کا تجزیہ کرتے ہوئے اس بات کے واضح ثبوت ہیں کہ اس طریقے کو جاری نہ رکھا جائے۔ پاکستان پینل کوڈ نے 2004 میں سوارا پر ترمیم کی۔ جس کے تحت اب دفعہ 310 پی پی سی، قتل عمد پر قصاص (صلح) کے مطابق:

"قتل عمد کے مقدمہ میں مقتول کے خاندان سے ایک بزرگ (ولی) جو کسی بھی وقت اپنے قصاص کے حق کو استعمال میں لاتے ہوئے جب بدلہ صلح قبول کر لیتا ہے تو پھر شادی یا بدل صلح کے لئے لڑکیوں کا تبادلہ نہیں کیا جانا چاہیے"۔

جس کا مطلب ہے کہ متاثرہ پارٹی۔ مقتول کے ولی نے جب قاتل کو معاف کر دیا اور تلافی قبول کر لی تو اس پر کسی خاتون کو شادی یا بدلے میں نہیں دیا جانا چاہیے۔

دفعہ 310 (اے) میں خواتین کو بدلے میں دینے کی سزا کچھ اس طرح تجویز کی گئی ہے:

"جو کوئی بھی خواتین کو شادی میں یا پھر بدل صلح کے طور پر دے گا تو اس کو قید با مشقت کی سزا ہوگی جو دس سال تک یا تین سال سے کم نہیں ہونی چاہیے"۔

اس لئے پینل کوڈ اسے بہت واضح طور پر جرم قرار دیتا ہے۔ اس کے مطابق خواتین کو قتل کے بدلے میں دینا، جسے سوارا کہتے ہیں، واضح جرم ہے، چاہے یہ دونوں پارٹیوں کے اتفاق رائے سے ہی کیوں نہ ہو یا اس میں خاتون کی رجا بھی شامل کیوں نہ ہو یہ جرم تصور کیا جائیگا۔ اسلامی قوانین کے تحت سزا میں چار خصوصیات ہونی چاہئیں: سزا کو تعزیزی، ادلے کا بدلہ، اصلاحی اور مانع ہونا چاہیے۔

درج بالا خصوصیات میں سے سوارا میں ایک بھی خصوصیت موجود نہیں ہے کیونکہ مجرم کو کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ پر ایک معصوم لڑکی اس کی قیمت ادا کرتی ہے۔ اس لئے پینل کوڈ اسے بہت واضح طور پر جرم قرار دیتا ہے۔ اس کے مطابق خواتین کو قتل کے بدلے میں دینا، جسے سوارا کہتے ہیں، واضع جرم ہے، چاہے یہ دونوں پارٹیوں کے اتفاق رائے سے ہی کیوں نہ ہو یا اس میں خاتون کی رجا بھی شامل کیوں نہ ہو یہ جرم تصور کیا جائیگا۔

اسلام کے مطابق ایسی کوئی بھی مجبوری نہیں ہوتی ہے۔ ہر روح کو اپنے اعمال کی بوجھ اٹھانا چاہیے۔ نکاح ایک سماجی معاہدہ ہے۔ جس میں قبولیت انتہائی ضروری ہے۔

اس کے علاوہ اگر کوئی لڑکی کسی کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتی تو یہ نکاح درست نہیں ہوگا۔ مرد اور عورت کی ایک دوسرے کو قبولیت اور رضا ہر شادی کا اہم نقطہ ہوتا ہے۔ تاہم ایسی شادیاں عورتوں پر ٹھونس دی جاتی ہیں اور ان سے انکار ناممکن بنا دیا جاتا ہے۔ دراصل سوارا اور زنا بالجبر ایک دوسرے کے متوازی ہیں اور ایسی رسموں کے تحت شادی پر مجبور خواتین کو قانونی تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ متذکرہ رواج آئین کی دفعہ 6 زناء کے جرائم (حدود آرڈیننس 1979) کی براہ راست خلاف ورزی ہے۔

سوارا آئین کے آرٹیکل 9 کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے۔ جس کے تحت ہر کوئی اپنی مرضی سے شادی کر سکتا ہے۔

31 مئی 2006 کو شکارپور (سندھ) میں جرگہ ممبران کے مطالبے پر محمد رمضان نے حلف دے کر اقرار کیا کہ وہ اپنی 9 سالہ ہیر، ایک سالہ کریمہ اور گیارہ بھینسیں بطور جرمانہ تین دن کے اندر ادا کرے گا۔ تاہم سپریم کورٹ کے نوٹس میں معاملہ آنے کے بعد یہ ادائیگی رک گئی تھی۔

بونیر میں جون 2006 کے دوران دو ماہ کی بچی کو جرگہ کے سامنے پیش کیا گیا جہاں پر اس کی ایک سالہ لڑکے سے شادی کر دی گئی۔ امام مسجد نے زبانی اقرار کی رسمی کاروائی پوری کی۔ بونیر پولیس نے بعد میں جرگہ کے ممبران اور امام مسجد کو گرفتار کر لیا۔

اگرچہ پاکستان کے مختلف علاقوں میں ونی، سوارا، سنگ چٹی اور ارجائی کے رواج ابھی تک موجود ہیں پھر بھی بہتری کی امید کی جاتی ہے۔

چونکہ سپریم کورٹ آف پاکستان میں سال 2004 کے دوران اس رواج کو چیلنج کیا جا چکا ہے اس لئے آج تک 70 لڑکیوں کو جرگہ کے رحم و کرم سے نجات دلائی گئی۔

سال 2003 میں یہ سول سوسائٹی کی مہم بن گئی۔ سوارا کیخلاف، عورت فاؤنڈیشن کی طرف سے بنائی گئی ایک وڈیو آج بھی عوام اور پالیسی سازوں کو اس رواج کے گھپ اندھیروں کے بارے تعلیم دینے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس ڈاکومینٹری نے اس خاموشی کو توڑنے میں اس وقت مدد کی جب سوارا کو جرم تک تصور نہیں کیا جاتا تھا۔

یہ تبدیلی درجہ بدرجہ ہے لیکن یہ ہو رہی ہے۔ ہمیں تبدیلی لانے کیلئے تبدیلی کے عمل پر یقین رکھنا پڑے گا۔ 28 مئی 2011 کو سکھر (سندھ) میں 12 چھوٹی بچیوں کو سنگ چٹی کے طور پر دیئے جانے سے بچا لیا گیا۔ سپریم کورٹ آف پاکستان نے ضلع سکھر کی پولیس کو ہدایت جاری کی کہ وہ تمام ملزمان کو گرفتار کرے جنہوں نے سنگ چٹی کے رواج کی بناء پر 12 کم سن بچیوں کو بدل صلح دے دیا تھا، اور چار مقتولین کے خاندان کے لئے 22 لاکھ روپے بطور تلافی بھی ادا کر دیئے گئے تھے۔ ڈی پی او سکھر نے عدالت کو بتایا کہ اٹھارہ میں سے دو جرگہ کے افراد کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔

جی ہاں قوانین ضروری ہیں لیکن سول سوسائٹی کے لوگوں کو چاہیے کہ ہم اپنی آواز بلند کرتے رہیں اور تبدیلی کے لئے کوشاں رہیں۔ تبدیلی آہستہ آہستہ آتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم ایک صحیح سمت میں جا رہے ہیں جو امید کی کرن بھی ہے۔

مشہور فلسفی پولیبیس کا قول ہے کہ "کوئی گواہی اتنی خوفناک نہیں اور کوئی الزام تراش اتنا خوفزدہ نہیں، جتنا کہ ہمارا ضمیر جو ہمارے دلوں میں رہتا ہے"۔

(مضمون نگار علم الانسان کی عالم اور انسانی حقوق پر فلم ساز ہیں)

عورت فاونڈیشن کی سلور جوبلی تقریبات

عورتوں کے انسانی حقوق اور ان کی با اختیاری کیلئے جدوجہد کے پچیس سال کا سفر

مبارکباد

نگار اور شہلا آپکو، آپکے گھر والوں اور دوستوں کو، عورت فاؤنڈیشن کے اسٹاف اور حامیوں کو، جنہوں نے پاکستان کی عورتوں کے حقوق کے لیے ایسی شاندار تنظیم کی بنیاد رکھی اور پچیس برسوں سے انتھک، بے غرض اور بے خوف جدوجہد کے ذریعے تاریخ رقم کی۔

آپکا اور ہمارا مشن یہ رہا ہے اور آئندہ بھی رہے گا کہ ہم:

ایک ایسا پُرامن اور خوشحال پاکستان بنائیں جہاں تمام شہری عزت نفس اور وقار کے ساتھ رہیں اور انہیں ایک منصفانہ، جمہوری اور انسان دوست معاشرے میں تمام حقوق حاصل ہوں۔

آئیے اس مشن کو جاری رکھنے کا عہد کریں

منجانب: عورت فاؤنڈیشن کا بورڈ آف گورنرز، ممبران سٹیزن ایکشن کمیٹیز، انفارمیشن نیٹ ورک سینٹرز، ویمن لیڈرز گروپس، لیجسلیٹو واچ گروپس، اور اندرون و بیرونِ پاکستان سے نیک خواہشات رکھنے والے احباب۔

عورت فاؤنڈیشن عورتوں کے حقوق کی ایک قومی تنظیم ہے جس کی بنیاد انسانی حقوق کی دو متحرک کارکن محترمہ نگار احمد اور محترمہ شہلا ضیاء (ستارہ امتیاز) نے سال 1986 میں رکھی۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس تنظیم کو ملکی اور عالمی سطح پر پاکستان کے اندر عورتوں کے بنیادی انسانی حقوق اور ان کی با اختیاری کے ساتھ ساتھ سماجی طور پر ایک منصفانہ، جمہوری، اور انسان دوست معاشرے کے حصول کے لئے جدوجہد کرنے والی تنظیم کے طور پر تسلیم کیا گیا۔

عورت فاؤنڈیشن کا کام ایک صدی کے چوتھائی حصے سے زیادہ پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کے پاس عورتوں کے حقوق کے متحرک کارکنوں کی ایسی پُرعزم جدوجہد کا قومی تجربہ ہے جس کے دوران عورتوں کے حقوق قومی اور عالمی ایجنڈا بنا کر سامنے لائے گئے جس کے نتیجے میں پاکستان کا سیاسی منظر تبدیل ہوا اور یہ تنظیم، جس کے پاس سال 1986 میں لاہور کے اندر دو کمروں کا ایک دفتر تھا، نے اپنا دائرہ اتنا وسیع کیا کہ آج یہ ایک بڑی متعاون تنظیم ہے جس کے پاس پاکستان اور آزاد جموں و کشمیر کا سب سے بڑا شہریوں کا نیٹ ورک ہے اور جو (ایک سو بیس) اضلاع میں مقامی سطح پر موجود ہے۔

عورت فاؤنڈیشن کے پاس ضلع کی سطح پر تہتر (73) سٹیزن ایکشن کمیٹیز فار وومن رائٹس موجود ہیں۔ مقامی سطح پر تقریبا چھبیس سو (2600) انفارمیشن نیٹ ورک سنٹرز فار ویمن قائم ہیں۔ قومی مہمات اور سماجی تحریکوں کے لئے ایک سو دس (110) اضلاع میں ضلعی کوارڈینیشن کمیٹیاں ہیں۔ مزید تیس (30) اضلاع میں پچاس خواتین رہنماؤں کا گروپ موجود ہے جبکہ وفاقی اور صوبائی دارلحکومت میں اسکے لیجسلیٹو واچ گروپس اور عورتوں کے خلاف تشدد کے واچ گروپس بھی موجود ہیں جن کے اراکین میں اہم خواتین رکن پارلیمنٹ (صوبائی و قومی اسمبلی) اور کئی سابق خواتین کونسلرز بھی شامل ہیں۔

عورت فاؤنڈیشن اپنے ابتدائی پروگراموں اور اقدامات جیسے 'پولیٹیکل ایجوکیشن پروگرام فار وومن' ایڈوکیسی اور ایکشن پروگرام برائے خواتین' اور 'خواتین کی خودمختاری کا لیجسلیٹو واچ پروگرام' بھی شامل ہے جس نے معلومات اور علم پھیلایا، مہارتیں پیدا کیں اور مختلف طبقہ ہائے فکر کے مرد و زن بالخصوص عورتوں میں فیصلہ سازی کے دوران اور سیاسی جماعتوں کے اندر موجود عورتوں میں اعتماد کو بلند کیا۔ حال ہی میں اس نے پہلی دفعہ صنفی مساوات پروگرام کے تحت سول سوسائٹی کی تنظیموں، ریاستی و صنفی اداروں کو، جو عورتوں کی با اختیاری پر کام کر رہے ہیں، امداد دینا شروع کیا ہے۔

عورت فاؤنڈیشن نے انسانی حقوق کے کارکنوں کی ایک نسل کو متاثر کیا ہے اور ان کا اعتماد بھی حاصل کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عورت فاؤنڈیشن کے پاس مقامی اور ملکی سطح کی مہمات کے لئے مقامی گروپوں، نیٹ ورکس اور لوگوں کو متحرک کرنے کی بھرپور صلاحیت موجود ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عورت فاؤنڈیشن ''روشنی کی رفتار'' سے مقامی گروپوں کو متحرک کرتی ہے۔

عورت فاؤنڈیشن کی پالیسی اور قوانین بارے اصلاحات نے حکومتوں کو نیشنل ڈویلپمنٹ پلان اور عالمی کنونشنوں کے لئے ملکی رپورٹوں، مسلم فیملی لا، غیرت کے جرائم پر قوانین، حدود آرڈیننسز میں ترامیم اور گھریلو تشدد کے بل کے ذریعے حکومتوں، قانون سازاداروں، سیاسی جماعتوں اور دوسرے قومی اداروں میں قدر و منزلت حاصل کی۔

عورت فاؤنڈیشن کا قیام عورتوں کی تحریک کا نتیجہ تھا، جس کی ابتداء اسی ّ کی دہائی (1980ء) میں ہوئی جس میں تمام شہریوں بشمول عورتوں کے جمہوری حقوق کی بات کی گئی۔ عورت فاؤنڈیشن نے آج دن تک اپنے اس ابتدائی موقف کو قائم رکھا کہ صرف جمہوریت ہی پاکستان کو بچا سکتی ہے اور یہ اس کی برابری، امن اور خوشحالی کی منزل کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

عورت فاؤنڈیشن کا ہیڈ کوارٹر اسلام آباد میں ہے اور چار صوبائی دارالحکومتوں میں علاقائی دفاتر ہیں جن میں پشاور، لاہور، کراچی اور کوئٹہ شامل ہیں۔ اس کے پاس ایک سو بیس (120) کارکن اپنے اپنے ذمہ امور سرانجام دیتے ہیں۔

عورت فاؤنڈیشن دوسرے پبلک اور پرائیویٹ اداروں کے درمیان سول سوسائٹی کی تنظیموں کو امداد اور تعاون دینے والی ایک بڑی تنظیم ہے۔ عورت فاؤنڈیشن کا مشن سول سوسائٹی کی تنظیموں کی تشکیل، انہیں سہولتیں بہم پہنچانا اور انہیں مضبوط بنانا ہے۔ اس کے علاوہ عورتوں کی با اختیاری کے نیٹ ورکس میں اتحاد پیدا کرنا اور شہریوں کے ساتھ الحاق کر کے عوامی دباؤ کو ابھارنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک تنظیم کے اندر دوسروں کا خیال رکھنے اور ان کے ساتھ دکھ درد بانٹنے کے رجحان اور عورتوں کے لئے دوستانہ ماحول نے اس تنظیم اور اس کے ملازمین کو ایک نہ ٹوٹنے والے انتہائی مضبوط رشتے کے ساتھ اس عزم سے باندھ دیا ہے کہ وہ ہر مشکل گھڑی میں اس کے ساتھ ہوں گے۔

عورت فاؤنڈیشن کے اہم مقاصد میں صنفی برابری اور رواداری اور عورتوں کی صلاحیتوں میں اس طرح مستحکم بنیادوں پر اضافہ کرنا ہے وہ حکمرانی کے تمام شعبوں اور سماجی ڈھانچے کی تعمیر میں شرکت کر سکیں۔ عورت فاؤنڈیشن نے معاشرے کے محقق طبقات کو معلومات اور علم مہیا کیا، مہارتیں پیدا کیں، دوسرے نیٹ ورکس کے اراکین، متعلقہ فریقین اور گروپس کی صلاحیتوں میں اضافہ کیا ہے اور پیروکاری اور شعوری آگاہی کی مہمات اور معلومات کی تشہیر کے لئے بھی کام کیا ہے۔

پاکستان میں عورت فاؤنڈیشن کے بانی اور ڈائریکٹرز عورتوں کے حقوق کی تحریک کے بانی اراکین بھی ہیں۔ مثلاً اس کی متحرک کارکن و خواتین محاذ عمل کی بانی اراکین ہیں۔ عورت فاؤنڈیشن ملک کے کمزور طبقات، عورتوں اور مذہبی اقلیتوں کے حقوق کی مختلف تحریکوں کا حصہ رہی ہے۔

عورت فاؤنڈیشن نے ملک میں این جی اوز کے اتحاد کی تشکیل اور ان کی مضبوطی کے لئے بھی کام کیا ہے۔ مثال کے طور پر پاکستان نیشنل فورم، جوائنٹ ایکشن کمیٹی، پاکستان سوشل فورم، ایکشن گروپ برائے پائیدار زراعت، انسانی حقوق اتحاد (اسلام آباد)، امن اتحاد، عوامی مزاحمت (کراچی)، اتحاد برائے تحفظ حقوق انسانی (پشاور) اور آل بلوچستان پولٹیکل وومن فورم (کوئٹہ) وغیرہ۔

—— سٹاف رپورٹ

طارق ملک ڈپٹی چیئرمین نادرا اور نعیم مرزا چیف آپریٹنگ آفیسر عورت فاؤنڈیشن، مفاہمتی یادداشت پر دستخط کر رہے ہیں۔ دائیں طرف میر عالم چیف آپریٹنگ آفیسر نادرا، سیمی کمال چیف آف پارٹی صنفی مساوات پروگرام، گیرتھ ایکن ملکی نمائندہ برائے ایشیاء فاؤنڈیشن، یونس خالد ڈائریکٹر ایم اینڈ ای عورت فاؤنڈیشن اور بشریٰ جعفر ڈپٹی چیف آف پارٹی صنفی مساوات پروگرام، پچھلی قطار میں نظر آ رہے ہیں۔

نادرا اور عورت فاؤنڈیشن نے مفاہمتی یادداشت پر دستخط کیئے

غیر اندراج شدہ خواتین کو کمپیوٹرائزڈ شناختی کارڈ کے حصول میں مدد فراہم کرنے کے لئے عورت فاؤنڈیشن نے نادرا کے ساتھ 19 جولائی 2011 کو نادرا آفس اسلام آباد میں ایک مفاہمتی یادداشت پر دستخط کیئے۔ یہ دستخط نعیم مرزا چیف ایگزیکٹو آفیسر عورت فاؤنڈیشن اور طارق ملک ڈپٹی چیرمین نادرا نے اس مفاہمتی یادداشت پر دستخط کیئے۔ میر عالم چیف آپریٹنگ آفیسر نادرا، سیمی کمال چیف آف پارٹی صنفی مساوات پروگرام اور یونس خالد ڈائریکٹر ایم اینڈ ای عورت فاؤنڈیشن نے بھی مفاہمتی یادداشت کی اس تقریب میں شرکت کی۔

اس معاہدے کے مطابق عورت فاؤنڈیشن ایک مخصوص پراسیس کے ذریعے مقامی این جی اوز اور سی بی اوز کو اپنے وسائل کو بروئے کار لانے کے لئے امداد فراہم کرے گی تاکہ وہ نادرا کے ساتھ الحاق کر کے اپنے مقاصد کی تکمیل کر سکیں۔ اس منصوبہ سے عورتوں کے سیاسی، معاشی اور سیاسی حقوق میں اضافہ ہوگا۔

وزارت بہبود خواتین کی صوبوں کو منتقلی کی حمایت

انیس ہارون سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے۔

اسلام آباد: ایک سیمینار میں سول سوسائٹی کے مقررین اور شرکاء نے وزارت بہبود خواتین کی صوبوں کو منتقلی کی حمایت کی اور مطالبہ کیا کہ منتقل ہونے والی وزارت کے پالیسی سازی، قانون سازی اور ہم آہنگی سے متعلق کردار اور اختیارات قومی کمیشن برائے وقار نسواں کو منتقل کیئے جائیں تاکہ ملک میں حقوق نسواں کے بارے میں پالیسیوں اور قوانین میں یکسانیت کو یقینی بنایا جا سکے۔

عورت فاؤنڈیشن نے 'اٹھارویں ترمیم: صوبوں اور عورتوں کے لئے مواقع اور آزمائش' کے عنوان سے 17 جون بروز جمعہ کو اس سیمینار کا اہتمام ایک مقامی ہوٹل میں کیا جس کا مقصد سول سوسائٹی اور ذرائع ابلاغ کے نمائندوں سے 18 ویں ترمیم کے مختلف پہلوؤں پر بحث مباحثہ کرنا تھا۔

اس سیمینار کی صدارت انیس ہارون، چیئرپرسن قومی کمیشن برائے وقار نسواں، نے کی۔ جامی چانڈیو، ایگزیکٹو ڈائریکٹر سنٹر فار پیس اینڈ سول سوسائٹی، ریحانہ ہاشمی، ایگزیکٹو ڈائریکٹر سسٹرز ٹرسٹ نے بطور مقرر شرکت کی اور اٹھارویں ترمیم پر تقاریر کیں۔

انیس ہارون کا کہنا تھا کہ صوبے، اسلام آباد کی نسبت زیادہ باعلم ہیں۔ تمام الجھن وفاقی دارالحکومت میں ہے کیونکہ کچھ مفاد پرست صوبوں کو طاقت اور وسائل کی منتقلی نہیں چاہتے۔ ان کا کہنا تھا کہ خواتین کی وزارت کی صوبوں کو منتقلی سے انہیں عورتوں کے لئے مزید کام کرنے کے مواقع میسر آئیں گے۔

جامی چانڈیو ایگزیکٹو ڈائریکٹر سنٹر فار پیس اینڈ سول سوسائٹی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اٹھارویں ترمیم کے تحت پاکستان کے آئین کی ایک سو دو شقوں میں ترامیم کی گئیں۔ اٹھارویں ترمیم کی ایک اہمیت اس لئے بھی ہے کہ برطانوی سامراج کے دور میں مرکز کے ماتحت کئے گئے اداروں کو صوبوں کو منتقل کیا گیا ہے۔ اس ترمیم سے صوبائی خود مختاری یقینی ہوگی۔

صنفی مساوات پروگرام نے تحقیقی مطالعوں کا افتتاح کردیا

عورت فاؤنڈیشن کے صنفی مساوات پروگرام نے تحقیق کا دھارا صنفی مداخلتوں کی طرف موڑنے کے لئے تحقیقی مطالعوں کا آغاز کردیا۔ جسکی افتتاحی تقریب اسلام آباد کے ایک مقامی ہوٹل میں 7 جون 2011 کو کی گئی۔ یہ مختلف تحقیقات صنفی مسائل کے بارے میں رہ جانے والی کمی کو علم اور اقدامات کے موجود مقام و مرتبہ کی نشاندہی کرتی ہیں اور اگست 2010 کے سیلاب کے بعد درپیش مسائل کے حل میں ضرورت کو سامنے لاتی ہیں۔ یہ تحقیقات مثلاً 'پاکستانی خواتین پر 2010 کے سیلاب کے اثرات'، 'پاکستان میں صنفی بنیاد پر تشدد'، 'پاکستان میں عورتوں کی خود مختاری'، 'صنفی مساوات کے اقدامات کو جاری رکھنے کے لئے پاکستانی تنظیموں کی طرف سے صلاحیتوں میں اضافہ' اور 'پاکستان میں صنفی مساوات، انصاف اور حکمرانی' شامل ہیں۔

کیتھرین جانسن، سینئر ایڈوائزر ڈیموکریسی اینڈ گورننس (یو ایس ایڈ) اس پروگرام کی مہمان خصوصی تھیں۔ سیمی کمال، چیف آف پارٹی صنفی مساوات پروگرام، نے اپنے خطاب میں شرکاء کو تحقیقی مطالعے شروع کرانے کے پیچھے بنیادی وجوہات اور ضرورتوں کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ عورتوں کو فوری امداد اور تلافی کی خدمات بارے معلومات اور ان تک رسائی کی کمی ہوتی ہے۔

سیمی کمال تحقیقی مطالعوں کی افتتاحی تقریب میں خطاب کر رہی ہیں۔ سٹیج پر بائیں سے دائیں کیتھرین جانسن، ڈاکٹر عالیہ خان اور ڈاکٹر رخشندہ پروین موجود ہیں۔

یاسمین رحمان اور مہناز رفیع (درمیان میں) اس رپورٹ کے اجراء کیلئے لاہور میں منعقد کی گئی افتتاحی تقریب کے دوران۔ (بائیں) کراچی کی افتتاحی تقریب کے دوران توقیر فاطمہ بھٹو، شرمیلا فاروقی، خوش بخت شجاعت، حمیرا علوانی، ڈاکٹر معصومہ حسن اور مہتاب راشدی

عورتوں کے خلاف تشدد پر سالانہ رپورٹ جاری کردی گئی

عورت فاؤنڈیشن کے 'عورتوں پر تشدد۔ پالیسی واعداد و شمار کا جائزہ' پروگرام نے سال 2010 کے دوران عورتوں کے خلاف تشدد کے واقعات پر سالانہ رپورٹ جاری کر دی ہے۔ یہ تیسری سالانہ رپورٹ ہے۔ اس رپورٹ کا عنوان تھا: 'پاکستان میں عورتوں کے خلاف تشدد: سال 2010 کے اعداد و شمار کا تفصیلی جائزہ'۔ یہ رپورٹ عورت فاؤنڈیشن کے ہیڈ آفس اسلام آباد اور چاروں علاقائی دفاتر کراچی، کوئٹہ، لاہور اور پشاور میں ایک ہی دن یعنی پانچ جولائی 2011 کو جاری کی گئی۔

کراچی: کراچی کی تقریب میں بہت سارے معززین کو دعوت دی گئی جس میں توقیر فاطمہ بھٹو صوبائی وزیر برائے ترقی نسواں سندھ، شرمیلا فاروقی سیکرٹری اطلاعات پی پی پی سندھ، خوش بخت شجاعت ایم این اے ایم کیو ایم، حمیرا علوانی ایم پی اے پی پی پی سندھ اسمبلی، ڈاکٹر معصومہ حسن ممبر عورت فاؤنڈیشن بورڈ آف گورنر اور مہتاب راشدی ایگزیکٹو ڈائریکٹر ہم ٹی وی شامل تھیں۔ خواتین پارلیمینٹیرین نے بے نظیر بھٹو کے دور سے زیر التواء خواتین پولیس فورس کے اختیارات میں اضافہ کا مطالبہ بھی کیا۔

کوئٹہ: کوئٹہ کی اس افتتاحی تقریب میں عورتوں کے خلاف تشدد کے واچ گروپ کے ممبران، سول سوسائٹی کے اراکین، وکلاء اور ذرائع ابلاغ کے نمائندوں نے شرکت کی۔ سعید احمد ریجنل ڈائریکٹر ہیومن رائٹس بلوچستان، عائشہ ودود، مشیر برائے صنفی امور، وزارت ترقی نسواں بلوچستان اور نور الہٰی بگٹی بیورو چیف سماء ٹی وی بلوچستان نے اس موقع پر منعقد کی گئی تقریب سے خطاب کیا۔

لاہور: اس افتتاحی تقریب میں یاسمین رحمان، زیر التواء گھریلو تشدد بل 2009 کو پارلیمنٹ میں پیش کرنے والی رہنما اور ایم این اے پی پی پی اس تقریب کی مہمان خصوصی تھیں۔ اس سالانہ رپورٹ کے حوالے سے مہناز رفیع سابق ممبر قومی اسمبلی اور خواتین کے حقوق کیلئے سرگرم رہنما، سلمان عابد ڈائریکٹر ایس پی او اور ڈاکٹر فوزیہ قادر ڈائریکٹر شرکت گاہ لاہور نے بھی اس تقریب سے خطاب کیا۔

پشاور: پشاور آفس نے بھی ٹھیک اُسی دن عورتوں کے خلاف تشدد کی رپورٹ جاری کی۔ شبانہ ایاز ریذیڈینٹ ڈائریکٹر پشاور آفس نے باضابطہ طور پر اس رپورٹ کو جاری کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ اعداد و شمار انتہائی خطرناک ہیں کیونکہ ایسا اس لئے بھی ہے کہ بہت سارے ملزمان یا تو خاوند اور یا پھر خاندان کے دوسرے افراد ہوتے ہیں۔ سیمنار کے شرکاء کا کہنا تھا کہ دہشت گردی کے واقعات میں خطرناک حد تک اضافہ اور خیبر پختونخوا میں ملٹری آپریشن کی وجہ سے بالخصوص فاٹا میں عورتوں کے خلاف تشدد کے واقعات منظر عام پر آئے بغیر دب کر رہ جاتے ہیں۔

اسلام آباد: انیس ہارون چیرپرسن قومی کمیشن برائے وقار نسواں نے اسلام آباد میں سیمنار کی صدارت کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں تشدد کے بڑے واقعات جیسا کہ دہشت گردی کے واقعات کی وجہ سے عورتوں کے خلاف تشدد کے واقعات دب کر رہ جاتے ہیں۔ احسان صادق اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل (آپریشن) نے تجویز دی کہ پولیس تھانوں کی بہتری کے لئے حکومت کو کہ وہ پولیس ڈیپارٹمنٹ میں خواتین کی تعداد کو بڑھائے۔ اس رپورٹ میں سامنے آنے والے نتائج ڈاکٹر رخشندہ پروین، بانی ڈائریکٹر کریٹو اینگر نے شرکا کے سامنے پیش کیئے جنہوں نے اس رپورٹ کا تجزیہ بھی کیا تھا۔